بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جمال و حسنِ قرآں نورِ جانِ ہر مسلماں ہے
قمر ہے چاند اوروں کا ہمارا چاند قرآں ہے

مئی - جون ۱۹۶۸

الفرقان

ہجرت ، احسان ۱۳۴۷ ہجری شمسی — صفر - ربیع الاول ۱۳۸۸ ہجری قمری

فضیلت اسلام نمبر

موازنہ -
مابین مسیحیت و اسلام

سالانہ اشتراک
پاکستان چھ روپے
بھارت آٹھ روپے
دیگر ممالک تیرہ شلنگ

اس پرچہ کی قیمت
ایک روپیہ

مدیر مسئول
ابو العطاء جالندھری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تبٰرک الذی نزل الفرقان علیٰ عبدہٖ لیکون للعٰلمین نذیرا

تبلیغی و تعلیمی دینی مجلّہ

ماہنامہ

الفرقان

ربوہ

بابت

ماہ ہجرت و احسان شمسی ہجری ۱۳۴۷ ہش

ماہ مئی و جون ۱۹۶۸ء

فضیلتِ اسلام نمبر یعنی موازنہ مابین مسیحیت و اسلام

بدل اشتراک سالانہ

پاکستان :- .. .. چھ روپے

بھارت : .. .. آٹھ روپے

دیگر ممالک :- تیرہ شلنگ (بحری ڈاک) ایک پونڈ تیرہ شلنگ (ہوائی ڈاک)

اس خاص نمبر کی قیمت :- .. .. ایک روپیہ

اراکین ادارۂ تحریر

ایڈیٹر :- .. .. .. ابوالعطاء جالندھری

نائبین :-

(۱) دوست محمد شاہد مولوی فاضل

(۲) عطاء المجیب راشد ایم - اے

جملہ رقوم پیشگی بنام مینیجر الفرقان ربوہ آنی چاہئیں!

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جلد ... نمبر ٥-٦ شمارہ | ماہنامہ الفرقان ربوہ — مئی، جون ١٩٦٨ء | صفر المظفر، ربیع الاول ١٣٨٨ھ — ہجرت، احسان ١٣٤٧ھش

ترتیب مضامین

اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) سے گفتگو کے بارہ میں قرآنی ہدایت

اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر اہل کتاب (یہودیوں اور عیسائیوں وغیرہم) سے گفتگو کے بارے میں حکم دیا ہے:

اُدْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيلِهِ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ (النحل: ۱۲۶)

کہ تم اپنے رب کے راستہ کی طرف دلیل و برہان اور نہایت اچھے وعظ کے ذریعہ سے دعوت دو۔ ان لوگوں سے بہترین طریق پر مذہبی گفتگو کرو۔ تیرا رب خوب جانتا ہے کہ اس کے راستہ سے کون گمراہ ہے اور وہ ہدایت یافتہ لوگوں کو بھی جاننے والا ہے۔

دوسری جگہ فرمایا:۔

وَلَا تُجَادِلُوا أَهْلَ الْكِتَابِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ إِلَّا الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ وَقُولُوا آمَنَّا بِالَّذِي أُنْزِلَ إِلَيْنَا وَأُنْزِلَ إِلَيْكُمْ وَإِلَٰهُنَا وَإِلَٰهُكُمْ وَاحِدٌ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ (العنکبوت: ۴۷)

تم تمام اہل کتاب (باستثناء ان میں سے ظالموں کے) صرف اسی طریق پر گفتگو کیا کرو جو نہایت بہتر ہو اور یہ اعلان کر دو کہ ہم اس کتاب الٰہی پر ایمان لاتے ہیں جو ہماری طرف نازل کی گئی اور ہم اس پر بھی ایمان لاتے ہیں جو تمہاری طرف اُتارا گیا۔ ہمارا اور تمہارا ایک ہی رب ہے اور ہم اس کے فرمانبردار ہیں۔

اس آیت میں ظالم اہل کتاب یعنی بے اصولے اور بلا وجہ جارحانہ انداز گفتگو اختیار کرنے والے لوگوں کا استثناء فرمایا ہے۔ ان کے بارے میں تصریح فرما دی ہے:۔

وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوا بِمِثْلِ مَا عُوقِبْتُمْ بِهِ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِلصَّابِرِينَ ۝ وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ إِلَّا بِاللَّهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِي ضَيْقٍ مِمَّا يَمْكُرُونَ ۝ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الَّذِينَ اتَّقَوْا وَالَّذِينَ هُمْ مُحْسِنُونَ ۝ (النحل ع ۱۶)

اگر تم ان سے بدلہ لو تو اسی قدر بدلہ لو جتنا تم کو دُکھ پہنچایا گیا ہے اور اگر تم صبر کر سکو تو یاد رکھو کہ صبر کرنا صبر کرنے والوں کے لئے بہت بابرکت ہے۔ اے پیغمبر! تُو صبر کر۔ تیرا صبر صرف اللہ کے لئے اور اسی کے ذریعہ سے ہوگا۔ تو ان لوگوں پر غمگین نہ ہو اور نہ ان کے مکروں سے تنگی محسوس کر۔ یقیناً اللہ تعالیٰ اُن لوگوں کے ساتھ ہے جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں اور نیکوکار ہیں۔

حضرت سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئیاں بائیبل میں

مسیحی صاحبان کو دعوتِ اسلام دینے کا بہترین طریق

اَلنَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ

[قرآن مجید نے یہود و نصاریٰ کو دعوت دی ہے کہ وہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کو ان پیشگوئیوں کے مطابق معلوم کرلیں جو اُن کی الہامی کتابوں میں موجود ہیں۔ بہت سے طالبانِ صداقت اس راہ سے ہدایت پاچکے ہیں اور آج بھی مسیحی صاحبان کو دعوتِ اسلام دینے کا یہ بہترین طریق ہے۔ اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل مکالمہ مطالعہ فرمائیں ——— (ایڈیٹر)]

احمدی۔ جناب پادری صاحب! میں آپ کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کرنے کے لئے حاضر ہوا ہوں۔ کیا آپ میری باتوں کو توجہ سے سماعت فرمائیں گے؟

پادری۔ مجھے سننے میں کوئی عذر نہیں مگر بات یہ ہے کہ میں بائیبل کو خدا کا مقدس کلام مانتا ہوں میں اسکے خلاف کچھ سننا نہیں چاہتا۔

احمدی۔ میں آج بائیبل میں سے ہی کلام خدا سنانے آیا ہوں۔

پادری۔ آیئے سر آنکھوں پر۔ اس طریق گفتگو سے مجھے بہت خوشی ہوگی۔

احمدی۔ بائیبل کی پہلی کتاب میں حضرت ابراہیمؑ کے فرزند حضرت اسمٰعیلؑ کو موعود فرزند قرار دیکر برکتوں کا وارث قرار دیا گیا ہے اور اس کی نسل کے برومند ہونے کا ذکر ہے۔ خداوند تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ سے کہا کہ:۔ "اسمٰعیل کے حق میں میں نے تیری سنی۔ دیکھ میں اسے برکت دوں گا اور اسے برومند کروں گا اور اسے بہت بڑھاؤں گا اور اس سے بارہ سردار پیدا ہوں گے اور میں اسے بڑی قوم بناؤں گا۔" (پیدائش ۱۷/۲۰)

پادری۔ آپ نہیں سمجھے۔ اسمٰعیل تو لونڈی کا بیٹا ہے ابراہیم کا بیٹا نہیں ہے۔ اس کے لئے اور اس کی نسل کے لئے برکتوں کے وعدے نہیں ہوسکتے۔

احمدی۔ بائیبل کے الفاظ تو نہایت واضح ہیں آپ ان پر غور فرمائیں۔ دیکھئے بائیبل میں یہ بھی صاف لکھا ہے کہ:۔ (۱) "ہاجرہ ابرام کے لئے بیٹا جنی اور ابرام نے اپنے بیٹے کا نام جو ہاجرہ جنی اسمٰعیل رکھا" (پیدائش ۱۶/۱۵) (۲) "ابرہام نے خدا سے کہا کہ کاش کہ اسمٰعیل تیرے حضور جیتا رہے" (پیدائش ۱۷/۱۸)۔ (۳) حضرت سارہ کے متعلق بشارت دیتے ہوئے خدا نے فرمایا "میں اسے برکت دوں گا اور اس سے بھی تجھے ایک بیٹا بخشوں گا" (پیدائش ۱۷/۱۶) آپ لفظ "بھی" پر غور فرمائیں۔

پادری۔ آپ کے لئے بائیبل کو سمجھنا مشکل ہے
اسمٰعیلؑ حضرت ابراہیمؑ کا بیٹا تو ضرور ہے مگر وہ عہد کا
وارث نہیں کیونکہ وہ لونڈی کے بطن سے پیدا ہوا ہے۔

احمدی۔ اللہ تعالیٰ کے عہد کی علامت یوں
بیان ہوتی ہے کہ "تم میں سے ہر ایک فرزند نرینہ کا ختنہ
کیا جائے ۔۔۔ اور یہ اس عہد کا نشان ہوگا جو میرے
اور تمہارے درمیان ہے ۔۔۔ میرا عہد تمہارے جسموں میں
عہد ابدی ہوگا۔" (پیدائش 17/10-13)
اس خدائی عہد کے موافق لکھا ہے کہ "سو اسی روز
ابرہام اور اس کے بیٹے اسمٰعیل کا ختنہ ہوا" (پیدائش 17/26)
پس یہ کہنا کہ اسمٰعیل عہد کا وارث نہیں بائیبل کے صریح خلاف
ہے۔ اگر اسمٰعیل عہد کا وارث نہ تھا تو اس کے ختنہ کا سوال
پیدا نہیں ہوتا تھا۔

پادری۔ مگر جب اسمٰعیل لونڈی کا فرزند ہے تو
وہ کیونکر برکاتِ ابراہیمی کا وارث ہو سکتا ہے؟

احمدی۔ جناب اگر یہ اصول درست ہے کہ
غلام اور لونڈی اور ان کی اولادیں برکات کی وارث
قرار نہیں پا سکتیں تو پھر تو سارے بنی اسرائیل محروم
ٹھہریں گے کیونکہ حضرت یوسفؑ کے متعلق لکھا ہے:۔
"اسمٰعیلیوں کے ہاتھ بیس روپے کو بیچا
اور وہ یوسف کو مصر میں لائے" (پیدائش 37/28)
یوسف غلام ہوئے اور غلام بھی اسمٰعیلیوں کے پس سارے
بنی اسرائیل غلام زادے قرار پائیں گے۔ تو کیا یہ سب
برکات سے محروم قرار پائیں گے؟

پادری۔ یہ سب ٹھیک ہے مگر کتابِ مقدس
میں صاف لکھا ہے کہ "اس لونڈی کے بیٹے سے بھی میں ایک
قوم پیدا کروں گا اس لئے کہ وہ بھی تیری نسل ہے۔" (پیدائش 21/13)

احمدی۔ حضرت ہاجرہ حقیقتاً لونڈی نہ تھیں
بلکہ تاریخی طور پر ثابت ہے کہ وہ شاہزادی تھیں جنہیں
شاہِ مصر نے حضرت ابراہیمؑ کی زوجیت میں دیا تھا اور
تواضع کے طور پر انہیں لونڈی کہا تھا۔ اس جگہ عبرانی لفظ
کا ترجمہ نوجوان عورت بھی ہو سکتا ہے۔ بایں ہمہ سب
انسان اللہ تعالیٰ کے بندے اور لونڈیاں ہیں۔ پیشکردہ
حوالہ تو نسلِ ہاجرہ کو خدائی قوم قرار دیتا ہے اور انہیں
ابراہیمؑ کی نسل ٹھہراتا ہے۔

پادری۔ اگر ہم مان لیں کہ اسمٰعیل اور ان کے
فرزند ابراہیم کے وعدوں کے وارث بن سکتے ہیں تو پھر
بھی یہ امر قابلِ ثبوت ہے کہ وہ فی الواقع وارث بن گئے؟

احمدی۔ واقعات بتاتے ہیں کہ نسلِ اسمٰعیل کو
اللہ تعالیٰ نے نوازا اور ان میں نہایت عظیم الشان نبی
مبعوث فرمایا ہے۔ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نسلِ
اسمٰعیل کے گلِ سرسبد ہیں۔ انہی کی طرف دعوت دینا آج
کی گفتگو کا مدعا ہے۔

پادری۔ آپ کو اس کے لئے کتابِ مقدس
سے اور ثبوت پیش کرنے چاہئیں۔

احمدی۔ دیکھئے بائیبل میں صاف لکھا ہے
کہ حضرت موسیٰؑ سے بنی اسرائیل کے بارے میں خدا تعالیٰ
نے فرمایا:۔
"میں ان کے لئے ان کے بھائیوں میں
سے تجھ سا ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام

اس کے مُنہ میں ڈالوں گا اور جو کچھ مَیں اُسے فرماؤں گا وہ سب ان سے کہے گا اور ایسا ہوگا کہ جو کوئی میری باتوں کو جنہیں وہ میرا نام لیکے کہے گا نہ سُنے گا تو مَیں اس کا حساب اس سے لوں گا۔" (استثناء ۱۸/۱۸-۱۹)

یہ بنی اسرائیل کے بھائیوں میں سے مثیلِ موسیٰ نبی کی پیشگوئی ہے۔ اس کی سب علامات سیّدنا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر منطبق ہیں۔ وہ بنی اسرائیل کے بھائیوں بنی اسمٰعیل میں ہیں اور مثیلِ موسیٰ ہونے کے مدعی ہیں۔ اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا ۙ شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا ؕ (المزمل)

پادری۔ "تجھ سا ایک نبی" والی پیشگوئی کے مصداق تو ہمارے یسوع مسیح ہیں۔

احمدی۔ کیا انہوں نے خود یہ دعویٰ فرمایا تھا کہ مَیں مثیلِ موسیٰ نبی ہوں ؟

پادری۔ نہیں، انہوں نے تو دعویٰ نہیں فرمایا لیکن ہم انہیں ایسا مان لیں تو کیا حرج ہے ؟

احمدی۔ ایسا ماننا کتاب مقدس کے خلاف ہے اور خود آپ کے معتقدات کے برخلاف ہے۔ آپ تو یسوع مسیح کو **خدا** مانتے ہیں اور پیشگوئی میں نبی کا لفظ ہے۔ نبی وہ ہوتا ہے جو خدا سے غیب کی خبر پاتا ہے (المنجد) پس جو نبی ہے وہ خدا نہیں ہو سکتا اور جو خدا ہے وہ نبی نہیں ہو سکتا۔

پادری۔ آپ کی یہ بات تو میری سمجھ میں آ گئی۔ ہم یسوع مسیح کو خدا تو بہرحال مانیں گے وہ اِن پیشگوئی کے مصداق ثابت ہوں یا نہ ہوں۔ مگر آپ یہ بتائیں کہ آپ اسے کتاب مقدس کے خلاف کس طرح کہہ سکتے ہیں ؟

احمدی۔ اوّل انجیل سے ثابت ہے کہ مسیح ناصری کے وقت یہودی تین موعودوں کے منتظر تھے (۱) ایلیاہ (۲) مسیح (۳) وہ نبی۔ یہود نے یوحنا سے پوچھا تھا کہ:۔

"اگر تُو نہ مسیح ہے، نہ ایلیاہ، نہ وہ نبی، تو پھر بپتسمہ کیوں دیتا ہے۔" (یوحنا ۱/۲۵)

حضرت مسیح نے ایلیا تو یوحنا نبی کو قرار دیدیا اور خود مسیح ہونے کے مدّعی تھے مگر وہ نبی کی آمد ابھی باقی تھی۔

دوم۔ بائیبل میں صراحت موجود ہے کہ مثیلِ موسیٰ نبی کی پیشگوئی اس وقت پوری نہ ہوئی تھی بلکہ مسیح کی آمدِ ثانی سے پہلے اس کا پورا ہونا ضروری ہے لکھا ہے:۔

"توبہ کرو اور رجوع لاؤ تاکہ تمہارے گناہ مٹائے جائیں اور اس طرح خداوند کے حضور سے تازگی کے دن آئیں اور وہ اُس مسیح کو جو تمہارے واسطے مقرر ہوا ہے یعنی یسوع کو بھیجے۔ ضرور ہے کہ وہ آسمان میں اُس وقت تک رہے جب تک وہ سب چیزیں بحال نہ کی جائیں جن کا ذکر خدا نے اپنے **پاک** نبیوں کی زبانی کیا ہے جو دنیا کے شروع سے ہوتے آئے ہیں۔ چنانچہ موسیٰ نے کہا کہ خداوند خدا تمہارے بھائیوں میں سے تمہارے لئے **مجھ سا نبی** پیدا کرے گا۔ جو کچھ وہ تم سے کہے اس کی سُننا۔

(باقی صفحہ ۵۹ پر)

قرآن مجید اور اناجیل کی تعلیمات کا اصولی موازنہ

حضرت مسیح موعود بانیٔ سلسلہ احمدیہ علیہ السلام کے الفاظ میں

"تمہاری تمام فلاح اور نجات کا سرچشمہ قرآن میں ہے۔ کوئی بھی تمہاری ایسی دینی ضرورت نہیں جو قرآن میں نہیں پائی جاتی۔ تمہارے ایمان کا مصدق یا مکذب قیامت کے دن قرآن ہے۔ اور بجز قرآن کے آسمان کے نیچے کوئی کتاب نہیں جو بلاواسطہ قرآن تمہیں ہدایت دے سکے۔ خدا نے تم پر بہت بڑا احسان کیا ہے جو قرآن جیسی کتاب تمہیں عنایت کی۔ میں تمہیں سچ سچ کہتا ہوں کہ وہ کتاب جو تم پر پڑھی گئی اگر عیسائیوں پر پڑھی جاتی تو وہ ہلاک نہ ہوتے۔ اور یہ نعمت اور ہدایت جو تمہیں دی گئی اگر بجائے توریت کے یہودیوں کو دی جاتی تو بعض فرقے ان کے قیامت سے منکر نہ ہوتے۔ پس اس نعمت کی قدر کرو جو تمہیں دی گئی۔ یہ نہایت پیاری نعمت ہے یہ بڑی دولت ہے۔ اگر قرآن نہ آتا تو تمام دنیا ایک گندے مضغہ کی طرح تھی۔ قرآن وہ کتاب ہے جس کے مقابل پر تمام ہدایتیں ہیچ ہیں۔ انجیل کے لانے والا وہ روح القدس تھا جو کبوتر کی شکل پر ظاہر ہوا جو ایک ضعیف اور کمزور جانور ہے جس کو بلی بھی پکڑ سکتی ہے۔ اس لئے عیسائی دن بدن کمزوری کے گڑھے میں پڑتے گئے اور روحانیت ان میں باقی نہ رہی۔ کیونکہ تمام ان کے ایمان کا مدار کبوتر پر تھا۔ مگر قرآن کا روح القدس اس عظیم الشان شکل میں ظاہر ہوا تھا جس نے زمین سے لے کر آسمان تک اپنے وجود سے تمام ارض و سماء کو بھر دیا تھا۔ پس کجا وہ کبوتر اور کجا یہ تجلی عظیم جس کا قرآن شریف میں بھی ذکر ہے۔ قرآن ایک ہفتہ میں انسان کو پاک کر سکتا ہے اگر صوری یا معنوی اعراض نہ ہو۔ قرآن تم کو نبیوں کی طرح کر سکتا ہے اگر تم خود اس سے نہ بھاگو۔ بجز قرآن کس کتاب نے اپنی ابتداء میں ہی اپنے پڑھنے والوں کو یہ دعا سکھلائی اور یہ امید دی کہ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ یعنی ہمیں اپنی اُن نعمتوں کی راہ دکھلا جو پہلوں کو دکھلائی گئی جو نبی اور رسول اور صدیق اور شہید اور صالح تھے۔ پس اپنی ہمتیں بلند کر لو اور قرآن کی دعوت کو رد مت کرو کہ وہ تمہیں وہ نعمتیں دینا چاہتا ہے جو پہلوں کو دی

تھیں۔ کیا اُس نے بنی اسرائیل کا ملک اور
بنی اسرائیل کا بیتِ مقدس تمہیں عطا نہیں کیا جو آج
تک تمہارے قبضہ میں ہے۔ پس اے سُست
اعتقاد اور کمزور ہمتو! کیا تمہیں یہ خیال ہے کہ
تمہارے خدا نے جسمانی طور پر تو بنی اسرائیل کے
تمام املاک کا تمہیں قائم مقام کر دیا مگر روحانی
طور پر تمہیں قائم مقام نہ کر سکا؟ بلکہ خدا کا تمہاری
نسبت اُن سے زیادہ فیض رسانی کا ارادہ ہے
خدا نے اُن کے روحانی و جسمانی متاع و مال کا تمہیں
وارث بنایا مگر تمہارا وارث کوئی دوسرا نہ ہوگا
جب تک کہ قیامت آ جاوے۔ خدا تمہیں نعمتِ
وحی اور الہام اور مکالمات اور مخاطباتِ الٰہیہ
سے ہرگز محروم نہیں رکھے گا۔ وہ تم پر وہ سب
نعمتیں پوری کرے گا جو پہلوں کو دی گئیں۔ لیکن
جو شخص گستاخی کی راہ سے خدا پر جھوٹ باندھے گا
اور کہے گا کہ خدا کی وحی میرے پر نازل ہوئی حالانکہ
نہیں نازل ہوئی یا کہے گا کہ مجھے شرفِ مکالمات اور
مخاطباتِ الٰہیہ کا نصیب ہوا حالانکہ نہیں نصیب
ہوا تو میں خدا اور اس کے ملائکہ کو گواہ رکھ کر کہتا
ہوں کہ وہ ہلاک کیا جاوے گا کیونکہ اُس نے
اپنے خالق پر جھوٹ باندھا اور فریب کیا اور
سخت بے باکی اور شوخی ظاہر کی۔ سو تم اس مقام
میں ڈرو۔ لعنت ہے اُن لوگوں پر جو جھوٹی خوابیں
بناتے ہیں اور جھوٹے مکالمات اور مخاطبات کا
دعویٰ کرتے ہیں۔ گویا وہ دل میں خیال کرتے ہیں کہ
خدا نہیں۔ پر خدا کا عقاب ان کو سخت پکڑے گا اور
اُن کا بُرا دن اُن سے ٹل نہیں سکتا۔ سو تم صدق اور
راستی اور تقویٰ اور محبتِ ذاتیہ الٰہیہ میں ترقی کرو
اور اپنا کام یہی سمجھو جب تک زندگی ہے۔ پھر
خدا تم میں سے جس کی نسبت چاہے گا اس کو اپنے
مکالمہ مخاطبہ سے بھی مشرف کرے گا تمہیں ایسی تمنا
بھی نہیں چاہیئے تا نفسانی تمنا کی وجہ سے سلسلۂ
شیطانیہ شروع نہ ہو جائے جس سے کئی لوگ ہلاک
ہو جاتے ہیں۔ پس تم خدمت اور عبادت میں لگے
رہو۔ تمہاری تمام کوشش اسی میں مصروف ہونی
چاہیئے کہ تم خدا کے تمام احکام کے پابند ہو جاؤ
اور یقین میں ترقی چاہو نجات کے لئے نہ الہام پانے
کے لئے۔ قرآن شریف نے تمہارے لئے بہت سے
پاک احکام لکھے ہیں جن میں ایک یہ ہے کہ تم شرک
سے بکلّی پرہیز کرو کہ مشرک سرچشمۂ نجات سے
بے نصیب ہے۔ تم جھوٹ نہ بولو کہ جھوٹ بھی
ایک حصۂ شرک ہے۔ قرآن تمہیں انجیل کی طرح
یہ نہیں کہتا کہ صرف بدنظری اور شہوت کے خیال
سے نامحرم عورتوں کو مت دیکھ اور بجز اس کے
دیکھنا حلال۔ بلکہ وہ کہتا ہے کہ ہرگز نہ دیکھ۔ نہ
بدنظری سے اور نہ نیک نظری سے کہ یہ سب تمہارے
لئے ٹھوکر کی جگہ ہے۔ بلکہ چاہیئے کہ نامحرم کے
مقابلہ کے وقت تیری آنکھ خوابیدہ رہے۔
تجھے اس کی صورت کی کچھ بھی خبر نہ ہو مگر اسی قدر
جیسا کہ ایک دھندلی نظر سے ابتداءِ نزول الماء میں

انسان دیکھتا ہے۔ قرآن تمہیں انجیل کی طرح یہ
نہیں کہتا کہ اتنی شراب مت پیو کہ مست ہو جاؤ
بلکہ وہ کہتا ہے کہ ہرگز نہ پی ورنہ تجھے خدا کی راہ
نہیں ملے گی اور خدا تجھ سے ہمکلام نہیں ہوگا
اور نہ پلیدیوں سے پاک کرے گا۔ اور وہ کہتا
ہے کہ یہ شیطان کی ایجاد ہے تم اس سے بچو۔
قرآن تمہیں انجیل کی طرح فقط یہ نہیں کہتا کہ اپنے
بھائی پر بے سبب غصہ مت ہو بلکہ وہ کہتا ہے کہ
نہ صرف اپنے ہی غصہ کو تھام بلکہ تَوَاصَوْا
بِالْمَرْحَمَةِ پر عمل بھی کر اور دوسروں کو
بھی کہتا رہ کہ ایسا کریں۔ اور نہ صرف خود رحم کر
بلکہ رحم کے لئے اپنے تمام بھائیوں کو وصیت
بھی کر۔ اور قرآن تمہیں انجیل کی طرح یہ نہیں کہتا
کہ بجز زنا کے اپنی بیوی کی ہر ایک ناپاکی پر صبر
کرو اور طلاق مت دو بلکہ وہ کہتا ہے اَلطَّیِّبٰتُ
لِلطَّیِّبِیْنَ۔ قرآن کا منشاء یہ ہے کہ ناپاک
پاک کے ساتھ رہ نہیں سکتا۔ پس اگر تیری بیوی
زنا تو نہیں کرتی مگر شہوت کی نظر سے غیر لوگوں
کو دیکھتی ہے اور اُن سے بغل گیر ہوتی ہے
اور زنا کے مقدمات اُس سے صادر ہوتے ہیں
گو ابھی تکمیل نہیں ہوتی اور غیر کو اپنی برہنگی دکھلا
دیتی ہے اور مشرکہ اور مفسدہ ہے اور جس پاک
خدا پر تُو ایمان رکھتا ہے اُس سے وہ بیزار ہے
تو اگر وہ باز نہ آوے تو تُو اُسے طلاق دے
سکتا ہے کیونکہ وہ اپنے اعمال میں تجھ سے علیحدہ
ہو گئی اب تیرے جسم کا ٹکڑہ نہیں رہی پس
تیرے لئے اب جائز نہیں کہ تُو دیوثی سے اُس
کے ساتھ بسر کرے کیونکہ اب وہ تیرے جسم کا
ٹکڑہ نہیں ایک گندہ اور متعفن عضو ہے جو
کاٹنے کے لائق ہے ایسا نہ ہو کہ وہ باقی عضو
کو بھی گندہ کر دے اور تُو مر جائے۔ اور قرآن
تمہیں انجیل کی طرح یہ نہیں کہتا کہ ہرگز قسم نہ کھا
بلکہ بیہودہ قسموں سے تمہیں روکتا ہے۔ کیونکہ
بعض صورتوں میں قسم فیصلہ کے لئے ایک ذریعہ
ہے اور خدا کسی ذریعہ ثبوت کو ضائع نہیں
کرنا چاہتا کیونکہ اس سے اُس کی حکمت تلف
ہوتی ہے۔ یہ طبعی امر ہے کہ جب کوئی انسان
ایک متنازعہ فیہ امر میں گواہی نہ دے تب
فیصلہ کے لئے خدائی گواہی کی ضرورت ہے
اور قسم خدا کو گواہ ٹھہراتا ہے۔ اور قرآن تمہیں
انجیل کی طرح یہ نہیں کہتا کہ ہر ایک جگہ ظالم کا
مقابلہ نہ کرنا بلکہ وہ کہتا ہے جَزَاءُ سَیِّئَةٍ
سَیِّئَةٌ مِّثْلُهَا فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ
فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ یعنی بدی کا بدلہ اُسی قدر
بدی ہے جو کی گئی لیکن جو شخص عفو کرے اور گناہ
بخش دے اور اس عفو سے کوئی اصلاح پیدا
ہوتی ہو نہ کوئی خرابی تو خدا اُس سے راضی ہے
اور اُسے اُس کا بدلہ دے گا۔ پس قرآن کی رُو
سے نہ ہر یک جگہ انتقام محمود ہے اور نہ ہر یک
جگہ عفو قابلِ تعریف ہے بلکہ محل شناسی کرنی چاہیئے

اور چاہیئے کہ انتقام اور عفو کی سیرت بپابندئ محل اور مصلحت ہو نہ بے قیدی کے رنگ میں۔ یہی قرآن کا مطلب ہے۔ اور قرآن انجیل کی طرح یہ نہیں کہتا کہ اپنے دشمنوں سے پیار کرو بلکہ وہ کہتا ہے کہ چاہیئے کہ نفسانی رنگ میں تیرا کوئی بھی دشمن نہ ہو اور تیری ہمدردی ہر ایک کے لئے عام ہو مگر جو تیرے خدا کا دشمن، تیرے رسول کا دشمن اور کتاب اللہ کا دشمن ہے وہی تیرا دشمن ہوگا۔ سو ایسوں کو بھی دعوت اور دعا سے محروم نہ رکھو۔ اور چاہیئے کہ تو ان کے اعمال سے دشمنی رکھے نہ اُن کی ذات سے۔ اور کوشش کرے کہ وہ درست ہو جائیں اور اس بارہ میں فرماتا ہے اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَآئِ ذِی الْقُرْبٰی یعنی خدا تم سے کیا چاہتا ہے بس یہی کہ تمام نوع انسان سے عدل کے ساتھ پیش آیا کرو۔ پھر اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ ان سے بھی نیکی کرو جنہوں نے تم سے کوئی نیکی نہیں کی۔ پھر اس سے بھی بڑھ کر یہ ہے کہ تم مخلوقِ خدا سے ایسی ہمدردی کے ساتھ پیش آؤ کہ گویا تم اُن کے حقیقی رشتہ دار ہو جیسا کہ مائیں اپنے بچوں سے پیش آتی ہیں کیونکہ احسان میں ایک خود نمائی کا مادہ بھی مخفی ہوتا ہے اور احسان کرنیوالا کبھی اپنے احسان کو جتلا بھی دیتا ہے لیکن وہ جو ماں کی طرح طبعی جوش سے نیکی کرتا ہے وہ کبھی خود نمائی نہیں کر سکتا۔ پس آخری درجہ نیکیوں کا طبعی جوش ہے جو ماں کی طرح ہو اور یہ آیت نہ صرف مخلوق کے متعلق ہے بلکہ خدا کے متعلق بھی ہے۔ خدا سے عدل یہ ہے کہ اس کی نعمتوں کو یاد کرکے اس کی فرمانبرداری کرنا۔ اور خدا سے احسان یہ ہے کہ اس کی ذات پر ایسا یقین کر لینا کہ گویا اُس کو دیکھ رہا ہے اور خدا سے ایتاءِ ذی القربیٰ یہ ہے کہ اس کی عبادت نہ تو بہشت کی طمع سے ہو اور نہ دوزخ کے خوف سے بلکہ اگر فرض کیا جائے کہ نہ بہشت ہے اور نہ دوزخ ہے تب بھی جوشِ محبت اور اطاعت میں فرق نہ آوے۔ اور انجیل میں لکھا گیا ہے کہ جو لوگ تم پر لعنت کریں اُن کے لئے برکت چاہو مگر قرآن کہتا ہے کہ تم اپنی خودی سے کچھ بھی نہ کرو تم اپنے دل سے جو خدا کی تجلیات کا گھر ہے فتویٰ پوچھو کہ ایسے شخص کے ساتھ کیا معاملہ چاہیئے۔ پس اگر خدا تعالیٰ دل میں ڈالے کہ یہ لعنت کرنیوالا قابلِ رحم ہے اور آسمان میں اُس پر لعنت نہیں تو تم بھی لعنت نہ کرو تا خدا کے مخالف نہ ٹھہرو۔ لیکن اگر تمہارا کانشنس اس کو معذور نہیں ٹھہراتا اور تمہارے دل میں ڈالا گیا ہے کہ آسمان پر اس شخص پر لعنت ہے تو تم اُس کے لئے برکت نہ چاہو جیسا کہ شیطان کے لئے کسی نبی نے برکت نہیں چاہی اور کسی نبی نے اُس کو لعنت سے آزاد نہیں کیا۔ مگر کسی کی نسبت لعنت میں جلدی نہ کرو کہ بہتیری بدظنیاں جھوٹیاں ہیں اور بہتیری لعنتیں اپنے ہی پر پڑتی ہیں سنبھل کر قدم رکھو اور خوب پڑتال کرکے کوئی کام کرو اور خدا سے مدد

مانگو کیونکہ تم اندھے ہو۔ ایسا نہ ہو کہ عادل کو ظالم
ٹھہراؤ اور صادق کو کاذب خیال کرو۔ اس طرح تم
اپنے خدا کو ناراض کرو اور تمہارے سب اعمال
حبط ہو جاویں۔

ایسا ہی انجیل میں کہا ہے کہ تم اپنے نیک
کاموں کو لوگوں کے سامنے دکھلانے کے لئے
نہ کرو مگر قرآن کہتا ہے کہ تم ایسا مت کرو کہ
اپنے سارے کام لوگوں سے چھپاؤ بلکہ تم حسب
مصلحت بعض اپنے نیک اعمال پوشیدہ طور
پر بجالاؤ جب کہ تم دیکھو کہ پوشیدہ کرنا تمہارے
نفس کے لئے بہتر ہے۔ اور بعض اعمال دکھلا کر بھی
کرو جب کہ تم دیکھو کہ دکھلانے میں عام لوگوں
کی بھلائی ہے تا تمہیں دو بدلے ملیں اور تا کمزور
لوگ جو ایک نیکی کے کام پر جرأت نہیں کر سکتے وہ
بھی تمہاری پیروی سے اس نیک کام کو کر لیں۔
غرض خدا نے جو اپنے کلام میں فرمایا سِرًّا وَّ
عَلَانِيَةً یعنی پوشیدہ بھی خیرات کرو اور
دکھلا دکھلا کر بھی۔ ان احکام کی حکمت اس نے
خود فرما دی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ نہ قول
سے لوگوں کو سمجھاؤ بلکہ فعل سے بھی تحریک کرو
کیونکہ ہر ایک جگہ قول اثر نہیں کرتا بلکہ اکثر جگہ
نمونہ کا بھی اثر ہوتا ہے۔

ایسا ہی انجیل میں ہے کہ جب تو دعا
مانگے تو اپنی کوٹھڑی میں جا مگر قرآن سکھاتا
ہے کہ اپنی دعا کو ہر ایک موقع پر پوشیدہ مت
کرو بلکہ تم لوگوں کے روبرو اور اپنے بھائیوں
کے مجمع کے ساتھ بھی کھلے کھلے طور پر دعا کیا کرو تا کہ
اگر کوئی دعا منظور ہو تو اس مجمع کے لئے ایمان
کی ترقی کا موجب ہو اور تا دوسرے لوگ بھی
دعا میں رغبت کریں۔

ایسا ہی انجیل میں ہے کہ تم اس طرح دعا
کرو کہ اے ہمارے باپ کہ جو آسمان پر ہے
تیرے نام کی تقدیس ہو۔ تیری بادشاہت آئے۔
تیری مرضی جیسی آسمان پر ہے زمین پر آوے۔
ہماری روزانہ روٹی آج ہمیں بخش۔ اور جس طرح
ہم اپنے قرض داروں کو بخشتے ہیں تو اپنے قرض
کو ہمیں بخش دے اور ہمیں آزمائش میں نہ ڈال
بلکہ برائی سے بچا کیونکہ بادشاہت اور قدرت
اور جلال ہمیشہ تیرے ہی ہیں۔ مگر قرآن کہتا
ہے کہ یہ نہیں کہ زمین تقدیس سے خالی ہے بلکہ زمین
پر خدا کی تقدیس ہو رہی ہے نہ صرف آسمان پر
جیسا کہ وہ فرماتا ہے وَإِنْ مِّنْ شَيْءٍ إِلَّا
يُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ۔ يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي
السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ یعنی ذرہ ذرہ
زمین کا اور آسمان کا خدا کی تحمید و تقدیس کر رہا
ہے اور جو کچھ ان میں ہے وہ تحمید اور تقدیس
میں مشغول ہے۔ پہاڑ اس کے ذکر میں مشغول
ہیں، دریا اس کے ذکر میں مشغول ہیں، درخت
اس کے ذکر میں مشغول ہیں اور بہت سے راستباز
اس کے ذکر میں مشغول ہیں۔ اور جو شخص دل اور

زبان کے ساتھ اس کے ذکر میں مشغول نہیں اور خدا کے آگے فروتنی نہیں کرتا اس سے طرح طرح کے شکنجوں اور عذابوں سے قضا و قدر الٰہی فروتنی کرا رہی ہے اور جو کچھ فرشتوں کے بارے میں خدا کی کتاب میں لکھا ہے کہ وہ نہایت درجہ اطاعت کر رہے ہیں یہی تعریف زمین کے پات پات اور ذرہ ذرہ کی نسبت قرآن شریف میں موجود ہے کہ ہر ایک چیز اس کی اطاعت کر رہی ہے۔ ایک پتہ بھی بجز اس کے امر کے گر نہیں سکتا اور بجز اس کے حکم کے نہ کوئی دوا شفا دے سکتی ہے اور نہ کوئی غذا موافق ہو سکتی ہے۔ اور ہر ایک چیز غایت درجہ کی تذلل اور عبودیت سے خدا کے آستانہ پر گری ہوئی ہے اور اس کی فرمانبرداری میں مستغرق ہے۔ پہاڑوں اور زمین کا ذرہ ذرہ اور دریاؤں اور سمندروں کا قطرہ قطرہ اور درختوں اور بوٹیوں کا پات پات اور ہر ایک جز اُن کا انسان اور حیوانات کے کل ذرات خدا کو پہچانتے ہیں اور اس کی اطاعت کرتے ہیں اور اس کی تحمید اور تقدیس میں مشغول ہیں۔ اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے فرمایا یُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ یعنی جیسے آسمان پر ہر ایک چیز خدا کی تسبیح و تقدیس کر رہی ہے ویسے زمین پر بھی ہر ایک چیز اس کی تسبیح و تقدیس کرتی ہے۔ پس کیا زمین پر خدا کی تسبیح و تقدیس نہیں ہوتی۔ ایسا کلمہ ایک کامل عارف کے مُنہ سے نہیں نکل سکتا۔ بلکہ زمین کی چیزوں میں سے کوئی چیز تو شریعت کے احکام کی اطاعت کر رہی ہے اور کوئی چیز قضا و قدر کے احکام کے تابع ہے اور کوئی دونوں کی اطاعت میں کمربستہ ہے۔ کیا بادل، کیا ہوا، کیا آگ، کیا زمین سب خدا کی اطاعت اور تقدیس میں محو ہیں۔"

(کشتی نوح)

عیسائیوں سے خطاب

(حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کی ایک نظم کے چار اشعار)

آؤ عیسائیو! اِدھر آؤ!!
نورِ حق دیکھو راہِ حق پاؤ

جس قدر خوبیاں ہیں قرآں میں
کہیں انجیل میں تو دکھلاؤ

اے عزیزو! سنو کہ بے قرآں
حق کو پاتا نہیں کبھی انساں

جن کو اس نور کی خبر ہی نہیں
اُن پہ اُس یار کی نظر ہی نہیں

رُوحانی مقابلہ کی کُھلی دعوت

آرچ بشپ آف کنٹربری اور رومن کیتھولک آرچ بشپ ویسٹ منسٹر

کے نام

محترم جناب امام مسجد لنڈن کا ایمان افروز گرامی نامہ

[ہم ذیل میں محترم جناب خان بشیر احمد صاحب رفیق امام مسجد لنڈن کے ایک انگریزی گرامی نامہ کا ترجمہ[1] شائع کرتے ہیں۔ جناب امام صاحب نے آرچ بشپ آف کنٹربری نیز رومن کیتھولک آرچ بشپ آف ویسٹ منسٹر کو کھلی دعوت دی ہے کہ وہ اسلام اور عیسائیت میں سے زندہ مذہب کی تعیین کے لئے اس روحانی مقابلہ کو قبول کریں تا ظاہر ہو کہ آج خدائے بزرگ و برتر مقابلہ میں کس مذہب کی تائید فرماتا ہے۔

یہ دعوت حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ علیہ السلام نے قریباً پون صدی سے تمام مذاہب کے پیروؤں کو دے رکھی ہے۔ ہمارے موجودہ امام حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ بنصرہ نے گزشتہ سال یورپ کے تبلیغی سفر میں اس دعوت کا اپنی طرف سے بھی یورپین ممالک میں با نگِ دہل اعلان فرمایا۔ حضور کے اسی اعلان کی صدائے بازگشت محترم جناب امام صاحب مسجد لنڈن کا یہ مکتوب ہے۔

آخر میں ہر دو بشپ صاحبان کے جوابات بھی درج ہیں جن سے ظاہر ہے کہ وہ اس روحانی مقابلہ کی ہرگز جرأت نہیں رکھتے جس سے انصاف پسند اصحاب اندازہ کر سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے اسلام کی فضیلت ہر پہلو سے نمایاں ہے ——— (ایڈیٹر)]

"جناب عالی! ....

آج مذہب صرف بقا کی جنگ لڑ رہا ہے اس پر چاروں طرف سے حملے ہو رہے ہیں اور اس کی حالت بہت زبوں ہے۔ مذہب کا نقطۂ مرکزی اور اس کی اقدار میں سے بہترین قدر خدا تعالیٰ پر ایمان ہے۔ لیکن ایمان کے اس قلعے پر بھی حملے ہو رہے ہیں۔ کیونکہ آجکل اس قسم کے نعرے بھی سننے میں آتے ہیں کہ خدا مر چکا ہے نیز یہ کہ خدا کے لفظ کو ہی اپنی زبان سے نکال دینا چاہیئے۔ وغیرہ وغیرہ

مگر حقیقت یہی ہے کہ خدا آج بھی تمام اہلِ مذاہب کے نزدیک ایسا ہی اعلیٰ اور برتر ہے جیسا کہ وہ تخلیق کائنات کے وقت تھا اور جس وقت اُس نے نسل

---

[1] از جناب چوہدری علی محمد صاحب بی۔ اے، بی ٹی۔

انسانی کو پیدا کیا تھا۔ اس کی صفات روز ازل سے اب تک اسی طرح اپنا کام کر رہی ہیں جس طرح پہلے کرتی تھیں۔ مثلاً اگر وہ پہلے سنتا تھا تو وہ اب بھی سنتا ہے اور ہماری دعاؤں اور ہماری التجاؤں کو شرفِ قبولیت بخشتا ہے۔ ہم میں سے ہر ایک شخص کو یہ حق حاصل ہے کہ اگر وہ چاہے تو اب بھی وہ خدا تعالیٰ کے ساتھ تعلق قائم کر سکتا ہے اور اس تعلق کو جتنا چاہے بڑھا سکتا ہے بشرطیکہ وہ اس ہدایت پر عمل پیرا ہو جو خدا نے اپنے بندوں کے لئے نازل فرمائی ہے۔ ہم آج بھی اس یقینِ محکم پر قائم ہیں کہ خدا تعالیٰ اپنے نیک بندوں کی دعائیں سنتا اور پھر انکا جواب دیتا ہے۔

خدا کے بزرگ و برتر کی ہستی اور اسکے جاہ و جلال پر ایمان اسی وقت پیدا ہوتا ہے جب اسکے زندہ نشان آدمی اپنی آنکھوں سے دیکھ لیتا ہے اس کے لئے قبولیتِ دعا ہی ایک ذریعہ ہے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ کی یہ بھی ایک صفت ہے کہ وہ دعاؤں کو سنتا ہے سلسلہ عالیہ احمدیہ کے بانی حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی مسیح موعودؑ نے تمام مذاہب کے چوٹی کے لوگوں کو دعوت دی کہ اپنے اپنے مذہب کی صداقت قبولیتِ دعا کے نشان سے ثابت کریں مگر کسی کو حوصلہ نہ ہوا کہ اس چیلنج کو قبول کرتا اور اپنے مذہب کی صداقت ثابت کرتا۔ اب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے جانشین

حضرت مرزا ناصر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے اسی چیلنج کو پھر دہرایا ہے اور آپ کے ارشاد کی تعمیل میں خاکسار امام مسجد لنڈن نے جناب معلی القاب آرچ بشپ آف کنٹربری اور معلی القاب کیتھولک آرچ بشپ ویسٹ منسٹر کو حسب ذیل دعوت نامے بھیجے ہیں:۔

معلی القاب جناب آرچ بشپ صاحب

مَیں آپ کو مژدہ سناتا ہوں کہ وہ موعود جس کی آمد کا انتظار عیسائی اور مسلمان دونوں صدیوں سے کر رہے تھے ظاہر ہو گیا ہے۔ اس نے اپنے آسمانی نور سے ایک عالم کو منوّر کر دیا ہے۔

آنمکرم جانتے ہیں کہ فی زمانناقوم پر قوم چڑھائی کر رہی ہے، قحط پر قحط پڑ رہے ہیں، آئے دن زلزلے آتے رہتے ہیں، جنگیں ہو رہی ہیں، نئی نئی بیماریاں ایک دنیا کو تباہ کر رہی ہیں، ظلم اور بے انصافی کا دَور دَورہ ہے، سورج اور چاند تاریک ہو چکے ہیں، آسمان کے ستارے ٹوٹ رہے ہیں۔ آسمانی قوتیں ہلا دی گئی ہیں اور ابن آدم کا نشان بھی آسمان پر ظاہر ہو چکا ہے۔ پس جیسا کہ بجلی مشرق سے چمکتی اور مغرب کی طرف چلی جاتی ہے اسی طرح ابن آدم کا آنا ہوا ہے۔ وہ سرزمین ہند میں ظاہر ہوا جو مشرق میں واقع ہے اور جو قدیم سے علم و ہنر کا گہوارہ رہا ہے۔ اس موعود کی تعلیم دنیا کے کناروں تک پہنچی اور اب اس کے ماننے والے براعظم

ایشیا، یورپ، افریقہ اور امریکہ میں ہر جگہ پائے جاتے ہیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام ہندوستان میں مبعوث۔ آپ حضرت مسیح ناصریؑ کی خو بُو پر آئے بعینہٖ اسی طرح جس طرح یوحنا بپتسمہ دینے والا ایلیا نبی کی خو بُو پر آیا تھا اور کتب مقدسہ میں جو پیشگوئیاں اس کی آمد ثانی کے متعلق بیان ہوئی ہیں وہ سب پوری ہو گئی ہیں۔ یہاں تک کہ یہ نشان بھی پورا ہو گیا کہ یہود فلسطین میں جمع ہوں گے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دعوے کی صداقت ثابت کرنے کے لئے میں جو حضرتؑ کا ایک نہایت ہی ادنیٰ خادم ہوں آنمکرم کی خدمت میں ایک فیصلہ کن معیار پیش کرتا ہوں۔ اور اُمید کرتا ہوں کہ آنمکرم اس پر سنجیدگی سے غور فرمائیں گے اور اسے شرف قبولیت بخشیں گے۔

حضرت مسیح کا قول ہے کہ:-

"کوئی اچھا درخت نہیں جو بُرا
پھل لائے اور نہ کوئی بُرا درخت
ہے جو اچھا پھل لائے۔ ہر درخت
اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے۔"
(لوقا $\frac{6}{43-44}$)

نیز آپ فرماتے ہیں:-

"میں تم سے سچ سچ کہتا ہوں کہ اگر
تم میں رائی کے دانے کے برابر
بھی ایمان ہوگا تو اس پہاڑ سے
کہہ سکوگے کہ یہاں سے سرک کر
وہاں چلا جا اور وہ چلا جائے گا۔
اور کوئی بات تمہارے لئے ناممکن
نہ ہوگی۔" (متی $\frac{17}{20}$)

اور پھر فرمایا:-

"اور جو کچھ دُعا میں ایمان کے
ساتھ مانگو گے وہ سب تمہیں ملیگا۔"
(متی $\frac{21}{22}$)

معلّی القاب جناب بشپ صاحب! زندہ ایمان کا تقاضا یہ ہونا چاہیئے کہ اس میں زندگی کے آثار ہوں۔ اور ہم جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے حلقۂ ارادت میں شامل ہیں اپنے اندر یہ یقین رکھتے ہیں کہ اسلام جس پر ہم عمل پیرا ہیں ایک زندہ مذہب ہے اور ہمیں یقین کامل ہے کہ اگر آنمکرم جو کلیسائے انگلستان کے افسر اعلیٰ اور رُوحانی پیشوا ہیں اسلام اور عیسائیت کی صداقت کو پرکھنا چاہیں تو خدائے قادر ضرور ایسے سامان پیدا کرے گا کہ اچھا درخت اچھا ہی پھل دے اور وہ ہرگز یہ نہیں کرے گا کہ اپنے بیٹے کو مچھلی کی جگہ سانپ دے اور روٹی کے عوض پتھر دے۔ بلکہ وہ ضرور (آسمان کے) دروازے اسکے لئے کھول دے گا اور اس کی دعا کو سُنے گا۔

ہم نے بارہا عیسائی صاحبان کو دعوت دی ہے کہ وہ اس معیار پر اسلام اور عیسائیت کی صداقت کا فیصلہ کرلیں لیکن افسوس ہے کہ کسی نے

اس دعوت کو قبول نہیں کیا اسلئے اب میں آنمکرم کی خدمت میں اور پھر آپ کے ذریعے تمام پادری صاحبان کی خدمت میں گزارش کرتا ہوں کہ آؤ ہم دونوں فریق مل کر دعا کریں کہ اسلام اور عیسائیت دونوں میں سے جو مذہب سچا ہے خدائے قادر و توانا اس کی صداقت ظاہر کر دے اور یہ دیرینہ جھگڑا جو مدت سے فریقین میں چلا آتا ہے طے ہو جائے۔ اس تصفیے کی ایک صورت یہ ہو سکتی ہے کہ ہم چند ایسے مریض جو ڈاکٹروں کے نزدیک بالکل لاعلاج ہو چکے ہوں قرعہ اندازی سے نصف نصف لے لیں اور پھر ایک فریق اپنے اپنے حصے کے مریضوں کے لئے دعا کرے کہ خدا تعالیٰ ان کو شفا دے۔ پھر دنیا خود دیکھ لے گی کہ خدا تعالیٰ کا فضل اور اس کا رحم کس فریق کا ساتھ دیتا ہے۔ حضرت مسیح کے قول کے مطابق جو خدا کے ایماندار بندے ہیں ان کی دعا قبول ہو جائیگی اور ان کے مریض شفایاب ہو جائیں گے اور دوسرے فریق کے مریضوں کا وہی انجام ہوگا جو ڈاکٹر ان کے متعلق ظاہر کر چکے ہیں۔

آخر میں میں آنمکرم کی خدمت میں پھر گزارش کرتا ہوں کہ آنمکرم اس درخواست پر سنجیدگی سے غور فرمائیں کیونکہ میں محبت بھرے دل کے ساتھ آنمکرم کی خدمت میں آسمانی بادشاہت کی خوشخبری دے چکا ہوں اور ہم خدا کے قادر کی درگاہ میں برابری کا درجہ رکھتے ہیں۔

میں ہوں آپ کا مخلص

بشیر احمد رفیق

امام مسجد لنڈن

جوابات

(۱) جواب از طرف پرائیویٹ سیکرٹری لاٹ پادری صاحب کنٹربری لنڈن:۔

جناب عالی!

آپ کی چٹھی مورخہ ۱۵ اپریل ۱۹۶۸ء لاٹ پادری صاحب کی خدمت میں موصول ہوئی جس کے مندرجہ مضمون سے انہوں نے بہت دلچسپی کا اظہار فرمایا۔

آپ کا مخلص

جان اینڈریو　　۲۲/۴/۶۸

(۲) جواب از طرف پرائیویٹ سیکرٹری صاحب (رومن کیتھولک) آرچ بشپ ویسٹ منسٹر۔

جناب۔ کارڈینل ہینان صاحب نے مجھے ہدایت فرمائی ہے کہ آپ کی چٹھی مورخہ ۱۸ اپریل ۱۹۶۸ء کی رسید سے آپ کو اطلاع دوں۔

آپ کا مخلص

ڈیوڈ مارس

پرائیویٹ سیکرٹری

۲۳/۴/۶۸

خصوصیاتِ اسلام

(استاذنا المحترم حضرت علّامہ میر محمد اسحاق صاحب فاضلؓ کے قلم سے)

ایک غیر مسلم ہم سے سوال کر سکتا ہے کہ تم نے اسلام کو کیوں قبول کیا حالانکہ اسلام کے سوا اور بہت سے مذاہب تمہارے سامنے موجود تھے۔ تم نے اسلام میں کیا خوبی دیکھی جو اور مذاہب میں نہیں۔ اسلام کا وہ کونسا جمال مشاہدہ کیا جو اور کسی مذہب کو نصیب نہیں۔ اس سوال کا جواب ہر مسلمان کے ذمہ ہے اور اس کا فرض ہے کہ وہ سائل کی تشفّی و تسلّی کرے اور اسے بتا دے کہ واقعہ میں اسلام میں ایسی خوبیاں ہیں جو اور مذاہب میں نہیں اور انہیں خوبیوں نے ہمیں گرویدہ کر لیا اور اس بات پر مجبور کر دیا ہے کہ ہم اسلام کے دامن سے وابستہ ہو کر کسی اور مذہب کی طرف توجہ بھی نہ کریں۔ میں بھی ایک مسلمان ہونے کی حیثیت سے اپنی سمجھ کے مطابق اسلام کی کچھ خصوصیات پیش کر کے اپنے فرض سے سبکدوش ہوتا ہوں۔

پہلی خصوصیّت

قانونِ قدرت خدا کا فعل ہے اور الہامی کتاب اس کا قول۔

اس لئے نہایت ضروری ہے کہ خدا کے قول اور فعل میں مطابقت ہو۔ اور ایک کتاب بھی الہامی کتاب سمجھی جائیگی جبکہ وہ خدا تعالیٰ کے فعل یعنی قانونِ قدرت اور نظامِ عالم کے مطابق ہو۔ اگر ایک کتاب جس کا دعویٰ ہو کہ وہ خدا کا قول ہے اللہ تعالیٰ کے فعل کے خلاف ہوگی تو سمجھا جائے گا کہ وہ خدا کا قول نہیں۔ اس اصول کے پیش کرنے کے بعد میں ناظرین کی خدمت میں عرض کرتا ہوں کہ اسلام کی پہلی خصوصیت یہی ہے کہ وہ اس معیار پر پورا اُترتا ہے لیکن دنیا کا اور کوئی مذہب اور کوئی الہامی کتاب اس معیار کے لحاظ سے خدا تعالیٰ کی طرف سے ثابت نہیں ہو سکتے۔ سب سے پہلے آریوں کو لو ان کا مذہب ہے کہ وید مقدس ہمیشہ آریہ ورت میں نازل ہوا ہے اور وید کے ملہم ہمیشہ ہندوستانیوں میں سے ہی چُنے جاتے رہے ہیں اور الہامی کتاب ہونے کا فخر ازل سے سنسکرت کے حصہ میں آیا ہے اور خدا تعالیٰ کی روحانی ربوبیت صرف آریہ ورت والوں ہی کی قسمت میں ہے اور خدا تعالیٰ نے اپنی مخلوق کی ہدایت کے لئے ہندوستان کے سوا کبھی کسی ملک میں کوئی نبی نہیں مبعوث فرمایا اور نہ ہندوستان کے باہر کسی کو کبھی الہام ہوا اور نہ یہ فخر کسی اور زبان کو حاصل ہوا۔ اب دیکھو کہ یہ مذہب کس طرح خدا کی طرف سے ہو سکتا ہے۔ وہ خدا جو تمام دنیا کی جسمانی ربوبیت کر رہا ہے اور جس نے تمام دنیا کے لیے ہوا، پانی، اناج، غلے، میوے، پھل، پھول،

ترکاریاں وغیرہ یکساں مہیا کئے اور جس کا فعل ثابت کر رہا ہے کہ وہ تمام دنیا کا رب ہے۔ اس کا قول یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ میری روحانی تربیت جو جسمانی ربوبیت سے بھی ضروری ہے صرف آریہ ورت کے لئے مخصوص ہے ہرگز نہیں۔ اور یہاں چونکہ قول اور فعل میں اختلاف ہے اس سے معلوم ہوا کہ یہ قول خدا تعالیٰ کا نہیں اور یہ تنگ دلی رب العالمین کی شان کے شایاں نہیں۔ اسکے بعد یہودیوں اور عیسائیوں کو لو۔ وہ بھی اسی بات پر متفق ہیں کہ آدمؑ سے لیکر مسیحؑ تک صرف ایک ہی نسل میں الہام ہوتا رہا اور ایک ہی سلسلہ نبیوں کے لئے مخصوص کیا گیا۔ اور تمام دنیا کو چھوڑ کر صرف ملک شام ہی کو خدا تعالیٰ نے نبوت اور رسالت کے لئے چن لیا اور بنی اسرائیل کے گھرانے میں سب فیوض آگئے اور غیروں کے لئے قرب الٰہی کا کوئی موقعہ نہیں۔ اور خدا تعالیٰ کے رحم کی نظر صرف بنی اسرائیل تک محدود ہے۔ اور تو اور خود مسیحؑ نے بھی یہی ظاہر کیا اور جب ایک غیر اسرائیلی عورت ہدایت کی طلبگار ہو کر مسیحؑ کے پاس آئی تو مسیحؑ نے اُسے یہ کہا کہ سوٴروں کے آگے اپنے موتی پھینکنے جائز نہیں اور بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا کسی اَور کو جمع کرنے میں نہیں آیا۔ علاوہ ازیں توریت اور انجیل میں کہیں نہیں آیا کہ غیر قوموں میں نبی آئے ہیں اور بنی اسرائیل کے سوا اَور لوگوں کو بھی خدا تعالیٰ اپنے مکالمہ اور مخاطبہ سے مشرف فرماتا ہے۔ سو یہ دونوں مذہب بھی خدا تعالیٰ کے فعل کے مطابق نہیں اسلئے ہم نے انہیں قبول نہ کیا۔ اس کے بعد اسلام کا نمبر ہے اس کو

لو اور اس کی الہامی کتاب قرآن کو پڑھو اس میں جا بجا لکھا ہے کہ الہام صرف مُلک عرب میں مختص نہیں اور نہ نبوت صرف قریش کے خاندان تک محدود ہے بلکہ صاف صاف فرما دیا وَإِنْ مِّنْ أُمَّةٍ إِلَّا خَلَا فِيهَا نَذِيرٌ۔ یعنی دنیا میں کوئی قوم ایسی نہیں جس میں خدا کے نبی نہ آئے ہوں۔ پھر اسی پر بس نہیں کی بلکہ اپنے متبعین کو کھولکر کہدیا کہ تم دین و دنیا میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے جب تک تم تمام ان کتابوں اور الہاموں کے مصدق نہ ہو گے جو وقتاً فوقتاً خدا تعالیٰ نے نازل فرمائے چنانچہ فرماتا ہے وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ وَبِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ۔ أُولَٰئِكَ عَلَىٰ هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ۔ پھر اس حکم کے بعد خاص رسول کریمؐ کو ارشاد ہوتا ہے فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ۔ یعنی اے رسولؐ تو تمام اُن لوگوں کی پیروی کر جو تجھ سے پہلے مختلف قوموں میں مبعوث کئے گئے۔ پھر یہ بات زبانی جمع خرچ تک محدود نہیں رکھی بلکہ فرمایا فِيهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ یعنی چونکہ ہم تمام دنیا کی الہامی کتابوں کے مصدق ہیں اسلئے ہم اپنی کتاب قرآن مجید میں ان تمام کتابوں کا خلاصہ درج کرتے ہیں۔ پھر علاوہ ازیں جا بجا قرآن مجید کا نام مصدق رکھا ہے یعنی اپنے سے پہلے الہامی کلاموں کی تصدیق کرنیوالا۔ اس کے بعد ایک احتمال تھا کہ کوئی مسلمان کہتا کہ اَور قوموں میں نبی تو بیشک ہوئے لیکن ہمیں اُن کا ماننا ضروری نہیں۔ ہم اپنی قوم کے نبیوں کو مانتے ہیں۔ یا یہ

کہنا کہ ہماری قوم کے نبیوں کی ایک خاص خصوصیت ہے اسلئے اس احتمال کو بھی دُور کر دیا اور فرمایا لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّن رُّسُلِهِ یعنی مسلمانوں پر جس طرح اپنے نبی کا ماننا فرض ہے اسی طرح دوسری قوموں کے رسولوں کا تسلیم کرنا بھی فرض ہے۔ پھر اس احتمال کا بالکل قلع قمع کرنے کے لئے رسول کریمؐ کے مُنہ سے کہلوا دیا مَا كُنتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ۔ یعنی میں اور رسولوں جیسا رسول ہوں اور انہیں معیاروں پر آیا ہوں جن پر مجھ سے پہلے رسول آئے۔

پھر اس روحانی تربیت کے دروازے کو ایسا کشادہ کیا کہ فرمایا وَبِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ یعنی خدا کی نظر میں وہی مومن مقبول ہے جو رسول کریمؐ پر ایمان لاوے اور آپؐ سے پہلے تمام نبیوں کی تصدیق کرے اور پھر الہام الٰہی کو صرف رسول کریمؐ تک محدود نہ سمجھے بلکہ تمام الہاموں پر ایمان لاوے جو آپؐ کے بعد راستبازوں اور صادقوں کو ہوتے رہیں۔ پھر صرف قولی تصدیق نہیں بلکہ فرمایا كُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ یعنی ایسے صادقوں کا دامن پکڑ لینا اور ان کی اتباع کرنا۔ پھر سورۃ فاتحہ میں ہمیں اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کی دعا سکھائی کہ تم یہ نہ سمجھو کہ خدا تعالیٰ کی روحانی تربیت کسی خاص قوم تک محدود ہے یا کسی خاص زمانہ سے مخصوص بلکہ اس کا دروازہ ہمیشہ کے لئے کھلا ہے اور جس طرح جسمانی ربوبیت میں اس کا تعلق کسی خاص قوم یا خاص ملک یا خاص زمانہ سے نہیں اسی طرح روحانی تربیت بھی کسی خاص قوم یا ملک یا زمانہ سے مختص نہیں بلکہ وہ عام ہے۔ تم بھی دعا مانگو تم پر بھی یہ دروازہ کھولا جاویگا اور تم بھی اس کے مکالمہ مخاطبہ سے مشرف کئے جاؤ گے۔

پھر فرمایا غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ یعنی تم میرے حضور ہمیشہ دعا مانگتے رہا کرو کہ الٰہی ہم یہودیوں اور عیسائیوں کی طرح ٹھوکر نہ کھاویں کہ تیری روحانی تربیت کو کسی خاص قوم اور ملک اور زمانہ تک محدود کریں۔ غرض اس معیار کے لحاظ سے کہ خدا کے فعل اور قول میں مطابقت ہونی چاہیئے اسلام کے سوا کوئی مذہب خدا کی طرف سے ثابت نہیں ہوتا اور اسلام کی یہ پہلی خصوصیت ہے جو ہم اس شخص کے سامنے پیش کرتے ہیں جو ہم سے یہ سوال کرتا ہے کہ تم نے اسلام کو دیگر مذاہب پر کیوں ترجیح دی۔

دوسری خصوصیت

مذہب ایک باغ ہے جسے خدا تعالیٰ دنیا میں قائم کرتا ہے اس کی آبپاشی کے لئے انبیاء بھیجے جاتے ہیں اور اس کو ہرا بھرا رکھنے کے لئے کلام الٰہی کا پانی اُتارا جاتا ہے۔ اور جس طرح ایک باغ مالی کے بغیر برباد ہو جاتا ہے اور پانی کے بغیر خشک ہو کر تباہ ہو جاتا ہے اسی طرح انبیاء اور کلام الٰہی کے بغیر کوئی مذہب زندہ نہیں رہ سکتا اور اگر دونوں میں سے ایک چیز بھی اسے میسر نہ ہو تب بھی وہ مرجھا جائیگا اور پھل دینے کے قابل نہیں رہیگا اسلئے کسی مذہب کو زندہ رکھنے کے لئے نہایت ضروری ہے کہ ہمیشہ کوئی نہ کوئی مالی اس کی خدمت کے لئے رکھا جائے اور پانی کی بجائے کلام الٰہی کا نزول ہو۔ اب ہم اس اصول کو

پیش کرتے ہوئے دنیا کے مذاہب پر نظر کرتے ہیں تو سوائے اسلام کے اور کوئی مذہب اس معیار پر پرکھا جا کر زندہ مذہب اور سرسبز باغ ثابت نہیں ہوتا۔ دیکھو آریہ مذہب کو لو، اسے بقول آریوں کے ابتدا میں قائم کیا گیا اور چار رشی اس کے مالی مقرر ہوئے اور کلام الٰہی یعنی وید آبپاشی کے لئے اُتارا گیا اور اس طرح آریہ ورت میں ایک روحانی باغ لگایا گیا۔ لیکن تھوڑا عرصہ نہیں گزرا تھا کہ چاروں مالی ایک ایک کر کے رخصت ہو گئے اور باغ کا کوئی نگران نہ رہا۔ پانی تو بیشک موجود تھا لیکن آپ جانتے ہیں کہ مالی کے بغیر پانی کیا فائدہ دے سکتا ہے؟ کیا ایک تلوار واقف کار سپاہی کے بغیر اپنے جوہر دکھا سکتی ہے؟ ہرگز نہیں۔ اسی طرح صرف پانی باغ کی اصلاح نہیں کر سکتا جب تک کہ کوئی مالی نہ ہو جو پانی کو موقعہ پر استعمال کرے خس و خاشاک کو دُور کرے، روشوں کی اصلاح کرے، سڑکوں کو سیدھا اور ہموار کرے اور تباہ کرنے والے جانوروں اور اُجاڑ دینے والے پرندوں کو دفع کرے لیکن آریہ ورتی قدیمی باغ مالیوں سے خالی ہو گیا، اس کا کوئی نگران نہ رہا اور چار رشیوں کے بعد کوئی ایک شخص بھی ایسا نہیں ہوا جس نے کہا ہو کہ مجھے اس باغ کی نگرانی کے لئے بھیجا گیا ہے۔ غرض آریہ ورت میں ایک باغ تو لگایا گیا اور ابتدا ابتدا میں ایک چھوڑ چار مالی اس کی خدمت کے لئے مقرر کئے گئے لیکن نہ معلوم بعد میں مالک نے کیا بات دیکھی کہ باغ کی طرف سے توجہ ہٹا لی اور مالی بھیجنے اور نگران مقرر کرنے چھوڑ دیئے اور اسلئے وہ باغ خشک ہو گیا۔ اس کے بعد

یہودیوں اور عیسائیوں کو لو۔ ان کا یہ عقیدہ ہے کہ خداوند خدا نے موسیٰؑ کے ذریعہ ایک شریعت کی بنیاد ڈالی اور موسیٰؑ کو نئے باغ کا مالی مقرر کیا اور آبپاشی کے لئے تورات نازل کی اور جب تک موسیٰؑ زندہ رہا اس باغ کی حفاظت کرتا رہا لیکن جب وہ فوت ہو گیا تو مہربان مالک نے اس باغ کی حفاظت کا کام حضرت یوشع بن نون کے سپرد کیا۔ جو زندگی بھر اس باغ کے کام میں مشغول رہے اور جب ان کی وفات ہوئی تو مالک نے اپنے باغ کے لئے اور مالی تجویز کئے اور اس طرح چودہ سو برس[۱۴۰۰] تک پے در پے یکے بعد دیگرے مالی مقرر ہوتے گئے اور باغ سال بسال اپنے پھل لاتا رہا یہاں تک کہ مسیحؑ سا عظیم الشان شخص اس کا مالی مقرر ہوا اور اس کی حفاظت اور درستی پر لگایا گیا لیکن شریروں نے اس کی قدر نہ کی اور بدبختوں نے پکڑ کر اسے صلیب پر لٹکا دیا اور اس طرح اس عظیم الشان مالی کا خاتمہ ہو گیا مگر افسوس کہ پھر مالک نے اس باغ سے اپنی توجہ ہٹا لی اور مسیحؑ کے بعد کوئی مالی اپنی طرف سے مقرر نہ کیا اور اس طرح باغ خشک ہو کر ایندھن بننے کے قابل بن گیا اور پھل دینے سے بند ہو گیا اور اسی لئے ہم اس باغ میں سیر کے لئے نہیں جاتے۔ اب ان کے بعد اسلام کی باری ہے، وہ بھی اس رحیم کریم کے ہاتھ کا لگایا ہوا باغ ہے اور اس کی ذاتِ بابرکات کا قائم کیا ہوا چمن ہے۔ مالک نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سا مالی اس پر مقرر کیا اور صاف صاف فرما دیا

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ

یعنی یہ باغ پہلے باغوں کی طرح فنا نہیں ہوگا بلکہ ہمیشہ محفوظ اور مصئون رہیگا۔ سو رسول اکرمؐ نے اپنی عینِ حیات میں

اس باغ کو ایسا آراستہ کیا کہ بایدوشاید اور اسے اس قابل بنا دیا کہ وہ اپنے سے پہلے باغوں کی نسبت دُگنا پھل دینے لگا۔ اور جب اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ کے سرٹیفکیٹ نے ثابت کر دیا کہ مالی اپنا کام کر چکا تو وہ اپنے رفیق اعلیٰ کی طرف بُلا یا گیا لیکن وہ باغ کو خالی نہیں چھوڑ گیا بلکہ تمام کام اپنے شاگرد رشید صدیق اکبرؓ کو سونپ گیا اور اس طرح باغ تباہی سے بچ گیا۔ اور پھر ہمیشہ کے لئے بندوبست کرتا ہوا فرماتا ہے اِنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ لِهٰذِهِ الْاُمَّةِ عَلٰى رَأْسِ كُلِّ مِائَةِ سَنَةٍ مَنْ يُّجَدِّدُ لَهَا دِيْنَهَا۔ یعنی باغ کا مالک ہر صدی کے سر پر اسلامی باغ میں ایک عظیم الشان مالی مقرر کریگا جو سَو برس تک کے لئے باغ کو خوب آراستہ و پیراستہ کر دیگا اور باغ ہمیشہ کے لئے تازہ بتازہ میوے دیگا۔ اسی کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سورۃ نور میں فرماتا ہے لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ یعنی میں ہمیشہ کے لئے وعدہ کرتا ہوں کہ اس باغ کو سرسبز رکھنے کے لئے بڑے بڑے ماہر اور باغبانی کے فن سے واقف آدمی اپنی طرف سے بھیجا کرونگا جو اس باغ کے خدمتگذار ہونگے اور اس کو تباہی سے بچائیں گے۔ چنانچہ واقعات ہمیں بتلاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ اپنا وعدہ پُورا کیا۔ دیکھو رسول کریمؐ کی وفات کے وقت قریب تھا کہ مسیلمہ کذاب کا لشکر باغ کو اُجاڑ دیتا اور مرتدین کا گروہ اس کو تباہ کر دیتا لیکن اللہ تعالیٰ نے ابوبکرؓ کو کھڑا کرکے باغ کو ہلاکت سے بچا لیا۔ پھر ابوبکرؓ کے بعد قیصر و کسریٰ جیسے عظیم الشان بادشاہ باغ پر چڑھ کر آئے اور اُن کی شوکت اور جاہ و جلال نے اسے ویران کر دینا چاہا لیکن باغ کے مالک نے توجہ کی اور عمرؓ جیسے مالی کے ذریعہ دونوں عظیم الشان سلطنتوں کو خاک میں ملا دیا۔ پھر حضرت عثمانؓ کے عہد میں باغ نے اتنے پھل دیئے کہ وہ افریقہ کے دُور دراز علاقوں تک بھیجے گئے۔ اسی طرح جب رسول کریمؐ کے قریباً سب کے سب اصحابؓ اس دنیا سے کُوچ کر گئے اور آپؐ کے اقوال و ارشادات کا ایک حصہ دنیا سے گُم ہونے لگا اور اس طرح باغ کو صدمہ پہنچنے کا اندیشہ ہوا تو مالک نے امام مالکؒ کو بھیجا جنہوں نے باغ کے اس حصہ کی حفاظت کی اور بعد میں پے در پے بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ جیسے ماہرین فن باغ کے اس حصہ کی حفاظت کے لئے مقرر ہوئے اور جب فلسفہ و منطق نے باغ کو اُجاڑنا چاہا تو غزالیؒ اور ابن تیمیہ مالی بن کر آئے اور دشمنوں کے حملوں کو روک کر باغ کو تباہی سے بچا لیا اور جب جسمانیت نے غلبہ حاصل کیا اور ظاہری اعمال پہ کفایت کی گئی اور مغز کو چھوڑ کر چھلکوں کو اختیار کیا گیا اور اس رنگ میں باغ کو صدمہ پہنچنے کا ڈر ہوا تو مالک نے حسن بصریؒ، جنید بغدادیؒ، شیخ عبدالقادر جیلانیؒ اور ابن عربیؒ ہسپانوی کی جماعت مقرر کی جس نے تصوّف کی تلوار سے دشمنوں کا قلع قمع کیا اور اس طرح یہ باغ کو بچانے والی ہوئی۔ پھر ایک وقت وحدت وجود کے مسئلہ نے باغ کے پودوں کو اُکھیڑنا شروع کیا اور شیعیت نے باغ کو بدنما کرنا چاہا تو احمد سرہندیؒ سا جوانمرد مالی بن کر آیا اور دونوں حملوں کو

روک کر باغ کا محافظ ہوا۔ پھر جب حدیث کا چرچا جاتا رہا اور لوگ اپنے پیشواؤں کی باتوں کو رسولؐ کے کلام پر فوقیت دینے لگے اور تقلید ہندوستان سے سر اُٹھا کر باغ پر حملہ آور ہوئی تو شاہ ولی اللہ سپہ سالار بن کر دشمنوں کی ہلاکت کا باعث ہوا اور آج ہندوستان میں اگر تقلید کا زور کم ہوا تو وہ شاہ صاحب ہی کی کوشش کا پھل ہے پھر آج ایک زمانہ آیا باغ پر اندر باہر دونوں طرف سے حملہ شروع ہوا۔ پادری انجیلیں بغل میں دبائے ہوئے تمام دنیا سے اُٹھ چلے گئے۔ آریہ لوگ دیانند کی سرکردگی میں باغ پر حملہ آور ہوئے۔ اندر سے تمام فرقے عملاً اور اعتقاداً باغ کے بیخکن ثابت ہوئے اور باغ پر ایسی مصیبت کا دن آیا کہ جب سے وہ لگایا گیا تھا ایسا دن کبھی اس پر نہیں آیا تھا لیکن باغ کا مالک غافل نہ تھا اُس نے چن کر ایک جَرِیُّ اللّٰہِ فِیْ حُلَلِ الْاَنْبِیَاءِ کو بھیجا جس نے آکر تمام دشمنوں کو ہلاک کر دیا اور جس جس طریق سے انہوں نے حملہ کیا اُنہیں راہوں سے اُس نے انہیں شکست دی۔ اندر سے بھی دشمنوں کو نکال دیا اور باہر سے بھی بھگا دیا۔ ایک طرف صلیب توڑی تو دوسری طرف خنزیروں کو قتل کیا کبھی ثریا تک پہنچا اور ایمان واپس لایا کبھی دشمنوں کی صفیں اُلٹ دیں۔ غرض اُس نے اپنے آنے سے ثابت کر دیا کہ یہ باغ خدا تعالیٰ کے ہاتھ کا لگایا ہوا ہے اور خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ اسے ہمیشہ کے لئے سرسبز اور تر و تازہ رکھے اور قیامت تک وہ ہر خطرہ کے وقت اپنے سپاہی بھیجے گا اور اس طرح وہ باغ دشمنوں سے ہمیشہ کے لئے محفوظ رہیگا۔

غرض اسلام کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ اَور مذاہب میں خدا تعالیٰ کے مامور ایک وقت تک آئے لیکن بعد میں ان کا سلسلہ موقوف ہو گیا اور اس طرح وہ مذاہب زندہ نہ رہے مگر اسلام میں ہر زمانہ میں ایسے لوگ آتے رہے اور قیامت تک آتے رہیں گے۔ یہ وہ خصوصیت ہے جو اَور مذاہب کو حاصل نہیں۔ کیا کوئی آریہ کہہ سکتا ہے کہ چار رشیوں کے بعد بھی ایسے لوگ دنیا میں پیدا ہوئے جن سے خدا ہمکلام ہوا اور اپنی تازہ بتازہ وحی کے ساتھ مامور کر کے دنیا میں انہیں بھیجا اور اپنے باغ کا محافظ بنایا؟ اس طرح کیا کوئی یہودی تسلیم کرے گا کہ ملاکی نبی کے بعد ان میں پھر کوئی نبی ہوا اور کیا کوئی عیسائی عقیدہ رکھتا ہے کہ مسیح اور اس کے رسولوں کے بعد بھی کوئی شخص نبوت کے منصب پر کھڑا ہو کر اور الہام پا کر عیسوی باغ کا محافظ مقرر ہوا؟ ہرگز نہیں۔ لیکن اسلام ہاں اسلام میں یہ خصوصیت ہے کہ ہر زمانہ میں ایسے لوگ آتے رہے اور قیامت تک آتے رہیں گے جو خدا سے ہمکلام ہو کر اور خدا کا حکم پا کر اسلامی باغ کی حفاظت کے لئے کھڑے ہوتے۔ کیا اس خصوصیت میں کوئی اَور مذہب بھی اس کا مقابلہ کر سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ الحمد للہ ثم الحمد للہ۔

تیسری خصوصیت دنیا میں ہر ایک چیز دو پہلو رکھتی ہے ظاہری اور باطنی۔ اور کسی چیز کے عمدہ ہونے کی یہی پہچان ہے کہ وہ اپنے دونوں پہلوؤں کے لحاظ سے اچھی اور اعلیٰ ثابت کی جاوے۔ اگر ایک چیز باطن میں اچھی اور ظاہر میں

بُری ہوگی وہ بھی ہمارے لئے مفید نہیں ہو سکتی اور ہم اس کے ظاہر کے خبث کو دیکھ کر اس سے ایسے متنفر ہو جائیں گے کہ اس کے باطنی فوائد سے ہمیں محروم ہونا پڑے گا۔ اسی طرح جو چیز ظاہری لحاظ سے تو اچھی نظر آوے لیکن باطن میں وہ اچھی نہ ہو اس سے بھی ہم منتفع نہیں ہو سکتے اور گو اس کی ظاہری صورت پر ہم فریفتہ ہو جائیں مگر نتیجہ کے وقت ہم نقصان اٹھائیں گے۔ غرض ایک چیز اعلیٰ اور افضل تبھی سمجھی جاویگی جبکہ وہ باطنی خوبیوں کے ساتھ ظاہری کمالات سے بھی آراستہ ہو۔ اسی اصول اور معیار پر دنیا کی ان کتابوں کو پرکھنا چاہیئے جن کے متعلق ان کے متبعین کا دعویٰ ہے کہ یہ کتابیں الہامی ہیں اور ہمیں دیکھنا چاہیئے کہ یہ کتابیں معنوی خوبی کے علاوہ ظاہری فصاحت و بلاغت اور نازل کرنے والے علیم حکیم کی قادر کلامی کا کوئی اعلیٰ نمونہ بھی دکھاتی ہیں یا نہیں۔ کیونکہ جس طرح ایک الہامی کتاب کے متعلق یہ دریافت کرنا چاہیئے کہ اسکی تعلیم کیا ہے اور اس کے مضامین صحت کے لحاظ سے کیسے ہیں۔ اسی طرح یہ معلوم کرنا بھی نہایت ضروری ہے کہ جس زبان میں یہ اپنا مطلب بیان کرتی ہے اور جن الفاظ میں یہ اپنا منشاء ظاہر کرتی ہے آیا وہ بلحاظ فصاحت اور بلاغت کے کسی اعلیٰ پیمانہ پر ہیں یا برخلاف اس کے فصاحت اور بلاغت سے خالی ہے کیونکہ ہم دیکھتے ہیں ایک بات معمولی ہوتی ہے مگر ایک فصیح قادر کلام شخص ایسی عبارت میں اسے بیان کرتا ہے کہ سُننے والے عش عش کر جاتے ہیں لیکن برخلاف اس کے ایک نہایت لطیف نکتہ اور ایک پُر لطائف بات کو ایک ژولیدہ بیان ایسی طرز سے ادا کرتا ہے کہ سُننے والے سخت نفرت کرتے ہیں اور اس اصل نکتہ سے بھی تنفر پیدا ہو جاتا ہے اسلئے نہایت ضروری ہے کہ الہامی کتاب جس طرح اپنی تعلیم کے لحاظ سے بے نظیر ہو اسی طرح اس کی عبارت اور اس کا لٹریچر بھی بے نظیر اور بے مثل ہونا چاہیئے کیونکہ وہ خدا کے مُنہ کا کلام ہے اور اللہ تعالیٰ کا کلام انسانوں کے کلاموں سے ضرور ممتاز ہونا چاہیئے۔ اب ہم اس اصل اور معیار پر تمام الہامی کتابوں کو پرکھتے ہوئے سب سے پہلے وہ کتاب لیتے ہیں جن کے متعلق اس کے متبعین کا دعویٰ ہے کہ یہ کتاب سب سے پہلی کتاب ہے یعنی ژند واوستا کو لیتے ہیں اسے آپ اوّل سے آخر تک پڑھ جاویں اس میں کہیں بھی یہ دعویٰ نہیں کیا گیا کہ یہ دنیا کی تمام کتابوں سے بلحاظ اپنے معنوی اور ساری خوبیوں کے ممتاز ہے یا یہ کہا گیا ہو کہ اس کتاب کی مثل لانے پر کوئی شخص قادر نہیں اور یا یہ کہ دنیا کو چیلنج دیا گیا ہو کہ آؤ اس کے مقابلہ میں ایسی پُر فصاحت و بلاغت کتاب پیش کرو ہرگز نہیں۔ جب خود کتاب ہی اس بات کی مدعی نہیں تو اور کون دعویٰ کر سکتا ہے کہ ژند واوستا ایک بے نظیر کتاب ہے۔ پھر اس کے بعد وید کا درجہ ہے وید کا ترجمہ چھپ چکا ہے آپ شروع سے آخر تک ختم کر جائیں ایک شرتی بھی ایسی نہ ملیگی جس میں دعویٰ کیا گیا ہو کہ وید بے نظیر کتاب ہے اور فصیح و بلیغ ہدایت نامہ ہے کہ جس کا مقابلہ کوئی کتاب نہیں کر سکتی۔ جب وید اس دعویٰ سے دست بردار ہے اور اپنی بے نظیری کا خود

قائل نہیں تو اس کے متبعین کا لاف وگزاف سے کام لینا کسی شمار میں نہیں سمجھا جائے گا اور اگر کوئی آریہ وید کو اس کی معنوی خوبیوں اور اس کے لٹریچر کے بے نظیر ہونے کے لحاظ سے دنیا کی تمام کتابوں سے افضل سمجھتا ہے تو وہ یہ دعویٰ خود وید سے نکال کر دکھا دے۔ جب وید ہی اس دعویٰ سے ساکت ہے تو کسی آریہ کا ادعا ہماری توجہ کو اس طرف منعطف نہیں کر سکتا۔ علاوہ ازیں ہم اتنا کہہ دینے میں مضائقہ نہیں سمجھتے کہ جہاں تک وید کا ہم نے مطالعہ کیا ہے اسے فصاحت و بلاغت کی خوبیوں سے خالی پایا ہے۔ مثلاً تشبیہ بھی عبارت میں لطافت پیدا کرنے کا ایک بڑا سبب ہے اور اگر عمدہ اور اچھی تشبیہ دی جاوے تو عبارت کا رنگ دوبالا ہو جاتا ہے مگر وید میں جا بجا غیر مناسب اور غیر موزوں تشبیہیں دی گئی ہیں۔ کہیں اگنی سے مراد خدا لیا گیا ہے حالانکہ آگ میں اور اس قدوس اور منزہ ذات میں بالاشتراک کوئی بات نہیں۔ پھر کہیں خدا کو ہوا سے تشبیہ دی گئی ہے، کہیں خدا کو پانی سے مشابہ ٹھہرا کر جل سے ملا دیا گیا ہے۔ غرض اللہ تعالیٰ کو ایسی بُری مثالوں سے ممثل کیا ہے جو اس ذاتِ پاک کے کسی طرح شایانِ شان نہیں۔ اور ظاہر ہے کہ کسی کتاب میں غلط تمثیلات اور غیر موزوں تشبیہات کا ہونا دلالت کرتا ہے کہ وہ کسی بے علم کی تصنیف ہے اور کسی ایسے شخص نے اسے تالیف کیا ہے جو زبان کی لطافت سے محض ناآشنا ہے۔

وید کے بعد توریت کو لو۔ وہ بھی ہرگز اپنے بے نظیر ہونے کی مدعی نہیں اور نہ اس کی مثل لانے کے متعلق دنیا کو چیلنج دیا گیا ہے۔ اور چونکہ وہ خود ساکت ہے اسلئے اس کے متعلق کسی شخص کو حق نہیں پہنچتا کہ وہ اس کے افصح اور ابلغ ہونے کا دعویٰ کرے اور دعویٰ بھی کس بنا پر کیا جاوے جبکہ دنیا میں وہ اصل توریت موجود ہی نہیں جو حضرت موسیٰؑ پر نازل ہوئی بلکہ یہ سب تراجم ہیں اور اگر عبرانی زبان میں بھی توریت پائی جاتی ہے تو وہ اصل نہیں بلکہ یونانی وغیرہ سے ترجمہ شدہ ہے۔ غرض جس الہامی کتاب کی زبان ہی بدل دی گئی ہو اور انسانی الفاظ میں خدائی لفظوں کو منتقل کر دیا گیا ہو اس کے متعلق فصیح یا غیر فصیح ہونے کا جھگڑا ہی نہیں ہو سکتا۔ توریت کے بعد قرآن مجید کو لو۔ وہ اگر اپنی تعلیم کے متعلق لَا يَأْتُونَكَ بِمَثَلٍ إِلَّا جِئْنَاكَ بِالْحَقِّ وَأَحْسَنَ تَفْسِيرًا فرماتا ہے تو ساتھ ہی دنیا کو چیلنج دیتا ہے قُلْ إِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِمَّا نَزَّلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِنْ مِثْلِهِ یعنی اگر تم کو اس کتاب کے خدا کی طرف سے ہونے میں کوئی شک ہے تو ہم تم کو چیلنج دیتے ہیں کہ تم کوئی کتاب اس جیسی بنا کر لاؤ جو بلحاظ فصاحت و بلاغت قرآن مجید کے پایہ کی ہو۔ پھر اس چیلنج کے بعد اعلان فرمایا۔ قُلْ لَئِنِ اجْتَمَعَتِ الْإِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَىٰ أَنْ يَأْتُوا بِمِثْلِ هَٰذَا الْقُرْآنِ لَا يَأْتُونَ بِمِثْلِهِ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيرًا۔ یعنی اگر تمام دنیا بھی مل کر یہ کوشش کرے کہ قرآن مجید جیسی فصیح و بلیغ کتاب تصنیف کریں تو وہ ہزار سر پٹکیں کبھی اس مقصد میں کامیاب نہ ہونگے۔

پھر جب ہم مُلک عرب کی حالت کو دیکھتے ہیں تو سوائے زبان دانی اور شعر و شاعری کے اور کوئی چرچا ہی نہیں پاتے۔ فصیح سے فصیح قصیدے بنائے جاتے ہیں، بلیغ سے بلیغ خطبے پڑھے جاتے ہیں۔ بچہ بچہ کو زبان کی لطافت کا چسکہ ہے۔ اپنے سوا تمام دنیا کو عجم یعنی گونگا کہتے ہیں مگر قرآن مجید کی بے نظیری کا اعلان ہوتے ہی سب دنگ رہ جاتے ہیں۔ کوئی مقابلہ کو نہیں نکلتا۔ وہ لوگ کہ فصاحت جن کی جان تھی اور وہ قوم کہ بلاغت میں کسی سے دب کر رہنا اپنی شان کے خلاف سمجھتے تھے قرآن مجید پڑھ کر حیران رہ جاتے ہیں اور کوئی ادیب، کوئی زبان دان ہمت نہیں کرتا کہ مقابلہ پر اس کی مثل لانے کی حامی بھرے بلکہ وہ سات مشہور قصیدے جو فصاحت میں بے نظیر ہونے کی وجہ سے خانہ کعبہ میں لٹکائے گئے تھے قرآن حکیم کے نازل ہوتے ہی اُتار کر پھینک دیئے جاتے ہیں۔ یہ کیوں؟ صرف اسلئے کہ قرآن مجید اپنی تعلیم کے بے مثل ہونے کے علاوہ ظاہری فصاحت و بلاغت میں بھی تمام دنیا کی کتابوں اور شعراء کے قابلِ فخر قصیدوں سے نہایت بڑھ چڑھ کر ہے اور آج جبکہ تیرہ سو برس کا ایک لمبا عرصہ اس اعلان پر گزر جاتا ہے اور دعویٰ کا کوئی ادیب مقابلہ پر نہیں آتا اور اس پُر زور چیلنج پر کوئی صدائے بازگشت ہمیں سُنائی نہیں دیتی تو قرآن مجید کی صداقت اور زیادہ وضاحت سے ظاہر ہوتی ہے۔

غرض تیسری خصوصیت جو اسلام کو حاصل ہے وہ اس کی الہامی کتاب کا بے نظیر ہونا ہے اور قرآن مجید کے سوا نہ کسی اور کتاب نے دعویٰ کیا ہے کہ میں بے نظیر ہوں اور نہ واقعہ میں کوئی کتاب ایسی فصیح و بلیغ ہے کہ جس زبان میں نازل ہوا اُس کے بڑے بڑے ادیب اُس کی فصاحت پر سرِ تسلیم خم کرتے ہوں اور نہ قرآن مجید کے سوا کسی اور کتاب نے اپنی مثل لانے کا دنیا کو چیلنج دیا ہے۔

چوتھی خصوصیت

خدا تعالیٰ کے افعال سے ہم اس کی مرضی معلوم کر سکتے ہیں اور الٰہی خوشنودی اور ناراضگی کا پتہ خود اللہ تعالیٰ کے کاموں میں غور کرنے سے لگ سکتا ہے۔ دیکھو حضرت موسیٰ بنی اسرائیل میں پیدا ہو کر فرعون جیسے پُر ہیبت بادشاہ کے مقابل میں اُسی کے دربار میں اپنے آپ کو پیش کرتے ہیں۔ وہ آپ کو حقیر سمجھتا ہے، کبھی مسحور کا خطاب دیتا ہے اور کبھی مجنون بناتا ہے اور اس بات پر اتنا بڑا غرور ہے کہ موسیٰ کی قوم میری غلام ہے اور اس کے وہم میں بھی نہیں آتا کہ اس "ذلیل و حقیر انسان" کے مقابل میں مجھے نیچا دیکھنا ہوگا لیکن واقعات بتاتے ہیں کہ الٰہی فعل نے اسے تمام لشکر سمیت سمندر میں غرق کر کے ہمیشہ کے لئے بے نام و نشان کر دیا اور خدا کے اس فعل سے ہمیں پتہ لگ گیا کہ خدا وہ خدا ابراہیم کا خدا موسیٰ پر خوش اور فرعون پر ناراض تھا کیونکہ الٰہی فعل نے فرعون کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیا اور وہ جو قوموں کا بادشاہ تھا بے یار و مددگار ہو کر فنا ہو گیا لیکن موسیٰ کو اللہ تعالیٰ نے اس خوفناک سمندر سے بچا لیا اور وہ جو بے یار و مددگار تھا قوموں کا بادشاہ ہو گیا۔ غرض اللہ تعالیٰ

کا معاملہ اور سلوک اس کی خوشنودی اور ناراضگی معلوم کرنے کا ایک زبردست ذریعہ ہے۔ موسیٰؑ کے بعد حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے زمانہ پر غور کرو۔ ایک اکیلا شخص بُت پرستی کے خلاف وعظ کرتا ہے سارا ملک مخالف ہے سر پر کوئی مہذب گورنمنٹ نہیں جو خونخوار دشمنوں سے بچاوے اور مسیح ناصریؑ کے قول کے مطابق واقعہ میں سر چھپانے تک کی جگہ نہیں ملتی تھی لیکن بعثت سے تیئس ۲۳ سال گزرنے نہیں پاتے کہ ملک کی بالکل کایا پلٹ گئی اور وہ جو خونخوار دشمن تھے جاں نثار دوست ہیں اور وہ جو آپؐ کا خون بہانے کو تیار تھے اب آپؐ کے پسینہ کی جگہ خون گرانے پر آمادہ نظر آتے ہیں اور جس ملک میں ہر گھر میں ہر جنوں بُت تھے وہاں پر بتوں کا نام نشان بھی نہیں اور جس قوم نے آپؐ کو شہر سے نکال دیا وہی بعد میں مفتوح بن کر لرزاں و ترساں ہاتھ جوڑے سامنے کھڑی ہو کر معافی کی خواستگار ہے۔ اس بے نظیر تبدیلی سے اور اس الٰہی تصرف سے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ محمد رسول اللہ کی ذاتِ بابرکات کی ترقی باریتعالےٰ کی عین مرضی تھی اور کفارِ عرب کا تنزل بھی اسی کی مرضی کے ماتحت تھا۔ غرض دنیا میں جو بڑے بڑے انقلاب آتے ہیں اور جو عظیم الشان واقعات صفحۂ ہستی پر پیدا ہوتے ہیں وہ الٰہی رضا اور غضب سے آگاہ کرنے میں ہمیں مدد دے سکتے ہیں۔ اب اس اصول کو مدنظر رکھ کر اسلام اور دیگر مذاہب کا مقابلہ کرو یہی نتیجہ نکلے گا کہ اسلام سچا مذہب ہے اور خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ اسلام پھیلے اور تمام دنیا اسے قبول کرے لیکن باقی مذہبوں کے متعلق الٰہی منشاء ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان پر اب کوئی شخص عمل پیرا نہ ہو اور نہ اب وہ اللہ تعالیٰ کے قانونِ رائج الوقت کی حیثیت میں دنیا پر رہیں۔ ہمارے اس بیان کی تفصیل اس طرح پر ہے کہ ہر مذہب کی بنیاد اس کی الہامی کتاب پر ہوتی ہے۔ جیسا کہ پارسی مذہب کی بنیاد ژندوستا ہیں اور یہودیت و نصرانیت کی بنا توریت پر اور آریہ مذہب کا انحصار ویدوں پر ہے اور اسلام کا وجود قرآن مجید کے ذریعہ قائم ہے۔ غرض ہر مذہب کی بنیاد اس کی الہامی کتاب ہے اگر الہامی کتاب ناقص ہو تو وہ مذہب بھی ناقص ہوگا۔ اور اگر الہامی کتاب محو ہو جائے تو اس مذہب کے محو ہو جانے میں کیا شک ہے؟ اور جس طرح تمام مذہبوں کی بنیاد الہامی کتابوں پر ہے اسی طرح تمام کتابوں کی بنیاد ان کی زبان پر کیونکہ کتاب مجموعۂ الفاظ اور عبارت ہی کو کہتے ہیں اور ہر ایک کتاب کے اعلیٰ یا ادنیٰ ہونے عمدہ یا خراب ہونے کے لئے اس کی زبان ایک حد تک ذمہ دار ہے۔ اب ہم ان کتابوں پر جن کے متعلق الہامی ہونے کا دعویٰ کیا جاتا ہے ایک سرسری نظر ڈال کر دیکھیں تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید کے سوا اور کوئی کتاب ایسی نہیں جس کی زبان زندہ ہو اور قوموں اور ملکوں میں رائج ہو بلکہ قرآن مجید کے سوا تمام الٰہی نوشتوں کی زبان مُردہ ہو گئی ہے اور دنیا کا کوئی ملک نہیں اور زمین کا کوئی قطعہ نہیں جہاں پر وہ زبان کسی قوم کی عام بول چال میں استعمال ہوتی ہو۔ اور یہ ظاہر ہے کہ کسی کتاب کی زبان کا مُردہ ہو جانا خود اس کتاب کے منسوخ ہونے کی ایک زبردست وجہ ہے اور جب

کسی کتاب کی زبان ہی مُردہ ہو جائے تو وہ کتاب کسی طرح بھی دنیا کے لئے ایک ہدایت نامہ کی حیثیت میں نہیں رہ سکتی۔ اب سب سے پہلی کتاب ژندوستا کو لو۔ اس کی زبان پہلوی ہے جو موجودہ فارسی سے بالکل الگ ایک زبان ہے مگر آج دنیا میں کوئی قوم ایسی نہیں جس کی گفتگو میں پہلوی زبان رائج ہو اور نہ دنیا میں کوئی ایسا علاقہ ہے جہاں پہلوی زبان بولی جاتی ہو۔ پھر وید وں کو لو ان کی زبان سنسکرت ہے اور گو سوامی دیانند نے دعویٰ کیا ہے کہ پہلے زمانہ میں تمام دنیا میں سنسکرت بولی جاتی تھی مگر آج یہ زبان بالکل مُردہ ہو گئی ہے اور رُوئے زمین پر ایک گاؤں بھی ایسا نہیں جس کی زبان سنسکرت ہو اور جس کے باشندے اس زبان میں باتیں کرتے ہوں۔ پھر ویدوں کے بعد توریت کی طرف نظر کرو اس کی زبان عبرانی ہے لیکن وہ بھی بالکل مُردہ ہو گئی اور دنیا کے کسی گوشہ میں بھی بولی نہیں جاتی۔ خود یہودی قوم جس کی زبان عبرانی ہے اب عربی بولتے ہیں اس کے بعد قرآن مجید کی زبان کی طرف نظر کرو۔ عربی زبان ایک زندہ زبان ہے اور جب قرآن مجید نازل ہوا اس وقت صرف ملک عرب میں بولی جاتی تھی لیکن خدائی فعل کی شہادت کے تقاضے نے ایسی ترقی دی کہ آج عرب، شام، مصر، الجزائر، طرابلس اور مراکش وغیرہ بہت سے ممالک میں بولی جاتی ہے اور بجائے مُردہ ہونے کے دن بدن زندہ ہوتی جاتی ہے۔ اس سے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کی مرضی یہ ہے کہ قرآن مجید کے سوا اور کوئی کتاب قانون کے رنگ میں اس وقت عمل کرنے کے لئے منتخب نہ کی جائے کیونکہ اگر قرآن مجید کے سوا اور کوئی کتاب بھی ایسی ہوتی جس پر عمل کرنا خدا تعالیٰ کو پسند ہوتا تو خدا تعالیٰ کی فعلی شہادت اس کے ساتھ ہوتی اور اللہ تعالیٰ کا زبردست ہاتھ اس کی زبان کی حفاظت کرتا اور وہ زبان کبھی مُردہ نہ ہوتی لیکن ایسا نہیں ہوا بلکہ ہر الہامی کتاب کی زبان مُردہ ہو گئی اور زندگی کے آثار بھی ان میں نہیں رہے جس سے پتہ لگتا کہ آج خدا تعالیٰ کو یہ منظور نہیں کہ وہ کتابیں لوگوں کے لئے ہدایت نامہ بھی جا دیں۔ ہاں قرآن مجید کی زبان کو اس نے زندہ رکھا۔ اور زمانہ کی دست بُرد سے بچایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ خدا کا منشاء ہے کہ قرآن مجید قیامت تک ایک مکمل قانون کی صورت میں باقی رہے۔

غرض چوتھی خصوصیت اسلام کی یہ ہے کہ جو الہامی کتاب اس مذہب کو پیش کرتی ہے اس کی زبان زندہ ہے اور زبان کی زندگی کتاب کی زندگی پر دلالت کرتی ہے لیکن اسلام کے سوا باقی تمام مذاہب میں زندگی کی رُوح نہیں کیونکہ ان کی الہامی کتابوں کی زبانیں مُردہ ہیں اور خدا تعالیٰ نے انہیں مُردہ ہونے سے نہیں بچایا کیونکہ وہ نہیں چاہتا کہ اب ان کتابوں پر عمل کیا جاوے اور اگر غور سے دیکھا جاوے تو عربی کے سوا تمام الہامی زبانوں کا مُردہ ہو جانا اسلام کی ایک بے نظیر صداقت ہے۔ دیکھو جس وقت وید نازل ہوئے اور خدا نے چاہا کہ لوگ اب ان پر عامل ہوں اس وقت سنسکرت ایک زندہ زبان تھی لیکن جب ایک زمانہ کے بعد قوموں کی حالتیں تبدیل ہو گئیں اور وید مقدس منسوخ

ہو گئے تو ساتھ ہی ان کی زبان بھی مُردہ ہو گئی اور وہ زبان جسے بقول سوامی دیانند تمام دنیا میں بولے جانے کا فخر حاصل تھا آج ایک چھوٹے سے چھوٹے گاؤں کی زبان بھی نہیں۔ اِسی طرح توریت عبرانی میں نازل ہوئی اور اُس وقت ملک شام میں عبرانی بولی جاتی تھی لیکن ایک زمانہ کے بعد جب توریت پر عمل کرنا ضروری نہ رہا ساتھ ہی یہ تغیر بھی ہو گیا کہ عبرانی زبان دنیا سے مفقود ہو گئی اور ملک شام میں ایک گاؤں بھی ایسا نہ رہا جس میں وہ خصوصیت سے بولی جاتی ہو۔ پھر توریت کے بعد قرآن نازل ہوا، اُس وقت عربی زبان صرف عرب میں بولی جاتی تھی لیکن کیا بعد میں وہ مفقود ہو گئی؟ ہرگز نہیں بلکہ بجائے مفقود ہونے اور مُردہ ہونیکے دن بدن زندہ ہوتی اور ترقی کرتی گئی اور بجائے ایک ملک کے چھ سات ملکوں میں رائج ہو گئی۔ اور یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ قرآن مجید پر عمل کیا جائے اور اسلام کو اپنا مذہب بنایا جائے۔ غرض چوتھی خصوصیت یہ ہے کہ اسلام کی مذہبی زبان زندہ ہے اور باقی تمام مذہبی زبانیں مُردہ ہیں۔

پانچویں خصوصیت

اسلام کی یہ خصوصیت اسلام کی صداقت پر ایک زبردست شہادت ہے اور دنیا کے تمام مذاہب پر اسلام کی فضیلت کا بہترین ثبوت ہے۔ دنیا کا کوئی مذہب اس فضیلت میں اسلام سے لگا نہیں کھا سکتا اور یہی ایک بات اسلام کو تمام مذاہب پر فوقیت دینے کے لئے کافی ہے۔ یہ خصوصیت آنحضرت صلعم کا وجود باجود ہے۔ اگر قرآن مجید قانون کے طور پر نازل ہوا تو آپؐ اس کا عملی نمونہ تھے۔ اگر قرآن و حدیث ہمارے لئے ایک ہدایت نامہ ہے تو ہمارا رسولؐ ہمارا ہادی ہے۔ جتنے احکام خدا تعالیٰ نے قرآن مجید میں بندوں کے لئے نازل فرمائے ان سب پر رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے پابندی کر کے ہمارے لئے نیک نمونہ قائم کیا۔ اگر قرآن میں عفو کی تعلیم ہے اور بندوں کو درگزر اور چشم پوشی کا حکم دیا ہے تو ساتھ ہی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جوش اور غصہ کے موقعوں پر عفو کر کے ہمیں اپنی اقتداء پر آمادہ کیا۔ اگر قرآن نے جائز موقعوں پر قوتِ غضب کے استعمال کا حکم دیا ہے اور غیرتِ دینی کو قائم کرنے کی تعلیم دی تو محمد رسول اللہ صلعم نے نہایت احسن طور پر غیرتِ دینی کا نمونہ دکھایا۔ کسی شخص نے حضرت عائشہؓ سے سوال کیا کہ آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق بیان فرماویں۔ انہوں نے جواب دیا کہ خُلُقُہُ الْقُرْآنُ یعنی آپؐ کے اخلاق کا بیان تو مجھ سے نہیں ہو سکتا بس یہ سمجھ لو کہ آپؐ قرآن کی تعلیم کا عملی نمونہ تھے۔ اگر قرآن قول ہے تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عمل خیال کیجئے۔ واقعہ میں آپؐ کی زندگی ہمارے لئے ایک نمونہ ہے اور دنیا کا ہر شخص زندگی کے ہر شعبہ اور ہر شاخ میں آپؐ کی اقتدا کر سکتا ہے۔ ایک لڑکا یتیم ہو جاتا ہے، والدین کا سایہ اس کے سر سے اُٹھ جاتا ہے، اب وہ یہ معلوم کرنا چاہتا ہے کہ میں اپنی یتیمی کی حالت کس طرح گزاروں اسے ایک نمونہ کی ضرورت ہے۔ لیکن اسے کوئی دقت پیش نہیں آتی کیونکہ اس کے لئے ہمارا

رسولؐ یتیمی کی حالت کا ایک اعلیٰ نمونہ ہے وہ اپنی یتیمی میں آپؐ کی اقتداء کرکے یتیمی کے مکروہات سے بچ سکتا ہے۔ پھر ایک شخص جس کے والدین موجود ہیں، بزرگوں کا سایہ اس کے سر پر ہے معلوم کرنا چاہتا ہے کہ میں اپنے بزرگوں کے ماتحت کس طریق پر زندگی بسر کروں اور کہاں تک ان کی اطاعت کروں اور کس سلوک سے اُن سے پیش آؤں، اسے بھی کہیں دُور جانے کی ضرورت نہیں، اس کے لئے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نمونہ ہیں آپؐ نے اپنے دادا عبد المطلب اور ان کے بعد اپنے چچا کے ماتحت زندگی بسر کی، ان کی فرمانبرداری کی، ان کی اطاعت گزاری اپنا شعار بنایا۔ پھر ایک شخص ہے جو بالغ ہوتا ہے، جوانی کی عمر میں قدم دھرتا ہے، خداداد قوتوں سے متمتع ہوتا ہے اپنی قوم کی طرف نظر کرتا ہے کہ جہالت میں گرفتار، ادبار میں مبتلا اور تنزل سے ہم آغوش، اس کے دل میں درد پیدا ہوتا ہے وہ چاہتا ہے کہ کسی طرح میری قوم کی اصلاح ہو، ان کی جہالت دُور ہو، تنزل کے بدلے ترقی کا مُنہ دیکھنا نصیب ہو، نحوست کے دن کسی طرح کٹ جاویں اب وہ کیا کرے، اپنی کارروائی کس طرح شروع کرے، قوم کی حالت کس طرح سُدھارے ایسے شخص کے لئے بھی آنحضرتؐ ہی اُسوۂ حسنہ ہیں۔ آپؐ کا قومی درد اور احساس اس کے لئے نمونہ اور آپؐ کی کوشش اور ہمت، آپؐ کی طرزِ اصلاح اس کے لئے ایک اُسوہ۔ پھر ایک شخص اپنی قوم کی اصلاح کرنا چاہتا ہے، قومی ادبار کو ترقی کی شکل میں مبدّل کرنا چاہتا ہے مگر اس کی جاہل قوم اس کی مخالفت پر تُلی ہوئی ہے، قوم کا بچہ بچہ اس کا مخالف ہو رہا ہے، تمام لوگ اس کے قتل کے درپے ہو رہے ہیں، کوئی شخص اس کی بات سُننے کا روادار نہیں۔ ایسے مشکل وقت میں وہ کیا کرے، استقلال اور صبر کہاں تک اختیار کرے، خونخوار قوم میں رہ کر اپنا مشن کس طرح جاری کرے۔ دشمنوں میں ہو کر حق کو کس طرح ظاہر کرے ان سب باتوں کے لئے اسے صرف آنحضرت صلعم کا نمونہ کافی ہے۔ آپؐ نے بھی جب قومی اصلاح کا کام ہاتھ میں لیا تھا تو قوم مخالف ہو گئی تھی، دوست دشمن اور اپنے بیگانہ ہو گئے تھے لیکن تیرہ برس اس خونخوار قوم میں رہ کر استقلال اور صبر سے اپنا کام کرتے رہے، کبھی حق کو نہیں چھپایا، کبھی منافقت سے کام نہیں لیا۔ پھر ایک شخص ہے جس کی اپنی حکومت نہیں بلکہ ایک غیر حکومت کے ماتحت ہے آیا بغاوت کرے یا بادشاہِ وقت کے خلاف ایجی ٹیشن پھیلا دے یا کس طرح اپنی زندگی اس حکومت کے ماتحت بسر کرے اس کے لئے بھی ہمارا آقا ایک نمونہ ہے آپؐ اوّل المسلمین تھے، مکہ میں تیرہ برس کفارِ مکہ کے ماتحت رہے، کبھی کسی قانون کو نہیں توڑا، اس جمہوری سلطنت کے کسی ضابطہ کے خلاف کارروائی نہیں کی۔ کبھی حاکمانِ وقت کے خلاف کسی سازش میں شریک نہیں ہوئے۔ پھر ایک شخص ایسی حکومت کے ماتحت ہو جو جابر ہو، ظالم ہو، دین میں جبر کرے، دینی احکام کی بجا آوری میں مخل ہو، دینی شعار کی حرمت میں خلل انداز ہو تو وہ شخص کیا کرے۔ کیا گورنمنٹ کے خلاف بغاوت کا جھنڈا بلند کرے اور ملک کے امن کو بدامنی سے بدل دے یا کونسا طریق اختیار کرے؟ لیکن ایسے شخص کے لئے بھی کوئی دقت نہیں، ہمارا رسولؐ

اس کے لئے نمونہ ہے۔ آپؐ جمہوری سلطنت کے ماتحت تھے وہ غیر مہذب گروہ تھا، آپؐ کے دین میں مخل تھے، آپؐ کی جماعت کو دینی احکام کی بجا آوری سے مانع تھے، مسلمانوں کے دین میں خلل انداز ہونا چاہتے تھے، مسلمانوں پر طرح طرح کے ظلم کرنے شروع کئے۔ مردوں کو بے عزت اور عورتوں کو بے حرمت کیا، ان کا مال اسباب لوٹ کھسوٹ کر اپنا گھر بھر لیا اور جب ان کے مظالم حد سے تجاوز کر گئے تو ہمارا ہادی بغیر کسی شورش برپا کرنے کے، بغیر بغاوت کا کوئی وطیرہ اختیار کرنے کے آرام و سکون سے اس ملک سے نکل کر ایک اور یا امن علاقہ میں چلا گیا اور اپنی جماعت کو بھی وہاں سے نکل جانے کا حکم دیا۔ پھر ایک قوم ہے جس پر دوسری قوم ظلماً حملہ آور ہوتی ہے، اس کے امن میں خلل ڈالتی ہے، جبراً اس کے علاقہ میں گھس آتی ہے، اس کے جائز حقوق کو پامال کرنا چاہتی ہے ایسی قوم کے لئے بھی ہمارا رسولؐ ایک نمونہ ہے۔ آپؐ جب مدینہ میں تشریف لاتے ہیں اور تھوڑے عرصہ کے لئے آپؐ اور آپؐ کی غریب جماعت کو چین نصیب ہوتا ہے اور دشمنوں کی دست برد سے امن ملتا ہے لیکن یہ حالت دیر تک نہیں رہتی اور مکہ کا خونخوار دشمن مدینہ میں بھی آرام نہیں لینے دیتا اور تیرہ چودہ کڑی منزلیں طے کرتا ہوا بدر کے مقام پر مسلمانوں کے قلع قمع کرنے کے لئے بڑے فخر و غرور سے ڈیرہ لگاتا ہے۔ ہمارا رسولؐ خدا پر بھروسہ کر کے اس پر توکل کر کے محض اسی کے رحم و کرم کے سہارے پر اپنی تھوڑی سی جماعت کو دشمن کے مقابل پر لاتا ہے اور یا خدا اگر وہ دعا مانگتا ہوا، استغفار پڑھتا ہوا، خدا سے مدد و نصرت اور ثابت قدمی کی التجا کرتا ہوا دشمن میں گھس جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ بھی اپنا رحم کرتا ہے، خونخوار دشمن بے طرح بھاگتا ہے اور اس کا تکبر ٹوٹ جاتا ہے۔ بڑے بڑے صنادید مارے جاتے ہیں اور قیدار کی ساری حشمت خاک میں مل جاتی ہے۔ پھر ایک قوم ہے جس نے دشمن سے مقابلہ کیا مگر بڑا ابتلا آیا، دشمن کامیاب ہوا اور اس قوم کے بہت سے مارے گئے، بہت سے بھاگ گئے، سپہ سالار زخمی ہوا، دشمن نے سخت زک دی اب وہ قوم کیا کرے۔ اس کے لئے بھی ہمارا رسولؐ اور اسکی جماعت نمونہ ہیں۔ اُحد کا مقام یاد کرو، ستر صحابہؓ مارے جاتے ہیں، خود رسول اکرمؐ سخت زخمی ہو جاتے ہیں، صحابہؓ کے پیر اکھڑ جاتے ہیں، بڑا سخت ابتلا آتا ہے مگر وہ ارے ثابت قدمی ہمارے رسولؐ کی اور استقلال ہمارے رسولؐ کے فدائیوں کا، تکلیفیں پہنچتی ہیں، زخمی ہوتے ہیں، دشمن اپنے خیال میں فتح پاتا ہے، جانوں اور مالوں کا نقصان ہوتا ہے مگر خدا پر بھروسہ کرنیوالی جماعت صبر و استقلال کا ایک زندہ نمونہ ہے اور آیت وَسَيَجْزِي اللّٰهُ الشَّاكِرِيْنَ جو خاص اُحد کے مصیبت زدوں کی شان میں اُتری اُن کی حالت کا صحیح فوٹو ہے۔ پھر ایک اور قوم کو دیکھو جو دشمنوں کے مدتوں ظلم سہتی رہی ہے ظالم دشمن نے تنگ کرنے کا کوئی دقیقہ باقی نہیں چھوڑا، غیر مہذب حریف نے ظلم و ستم کا کوئی موقعہ ہاتھ سے جانے نہ دیا۔ جانیں لیں، مال چھینے، عورتوں کو بے عزت کیا، بچوں تک پر بے رحمی کی ہر ناجائز سے ناجائز کارروائی ان کے خلاف کی، بیس برس تک ناحق ستاتے رہے۔ لیکن

بیس برس کے بعد خدا نے اس قوم کو دشمنوں پر غالب کیا اور انہوں نے اپنے دشمن کو شکست دی اور دشمن کے تمام علاقہ کو فتح کر لیا اور اپنے سپہ سالار سمیت دشمن کے دارالخلافہ میں جا گھسے۔ اب دشمن بالکل ان کے قابو میں ہے اور حریف کی تمام جمعیت اُن کے بس میں ہے۔ برسوں سے ظلم کرنیوالا دشمن سامنے ہے، مدتوں کے ستم یاد آآ کر انتقام کے لئے طبیعت کو اُبھار رہے ہیں۔ رحیم سے رحیم شخص بھی جائز سمجھتا ہے کہ اس دشمن کو ہلاک کر دیا جاوے اور رقیق سے رقیق دل انسان ایسے ظالم دشمن کی ہلاکت پر خوش ہے مگر دوسری طرف اخلاق تقاضا کرتے ہیں کہ معاف کر دیا جائے اور ہمدردی اور بنی نوع انسان کی محبت متقاضی ہے کہ چونکہ دشمن بالکل قابو میں ہے اب وہ شرارت یا ظلم نہیں کر سکتا اسلئے گزشتہ قصوروں سے درگزر کی جاوے۔ فاتح قوم مذبذب ہے کبھی انتقام کا خیال آتا ہے اور کبھی درگزر کا۔ اب وہ کیا کرے اور دونوں میں سے کس کو اختیار کرے؟ ایسی قوم کے لئے بھی حضرت محمد رسول اللہ صلعم کا وجود باجود ایک اُسوہ ہے۔ آپؐ دس ہزار قدوسیوں سمیت مکہ میں داخل ہوتے ہیں، ظالم اور جفاکار دشمن قابو میں ہے ایک اشارہ سے پُرانا دشمن ہلاک ہو سکتا ہے، صحابہؓ کی طبیعتیں پُرانے ظلموں کا بدلہ لینے کے لئے آمادہ ہیں، انکی میانوں سے تلواریں نکل نکل پڑتی ہیں۔ ہر بہادر لشکر سپہ سالار کے اشارہ کا منتظر ہے کہ کب اشارہ ہو اور مکہ کی اینٹ سے اینٹ بجا دی جائے اور واقع میں کفارِ مکہ اسی کے مستحق ہیں۔ دنیا کا کوئی نرم سے نرم قانون ان کا حامی نہیں۔ دشمن بھی سر جھکائے فیصلہ کا بڑی بیتابی سے منتظر ہے اور لرزتے کانپتے اپنے ظلموں کو یاد کرتے ہوئے آپؐ کی زبان کی حرکت کی طرف کان لگائے ہوئے ہے مگر وہ دنیا کا منجی اور بنی نوع کا حقیقی شفیق اپنے جذبات کو قابو میں کئے ہوئے لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ کہہ کر سب کی جان بخشی کرتا ہے۔ اللہ اللہ یہ ہیں اخلاق ہمارے ہادیؐ کے اور یہ ہے عفو ہمارے آقا کا۔ پھر ایک اور شخص کو لیجئے وہ تجرد از حالت سے نکلتا ہے اور ایک عورت سے شادی کرتا ہے۔ ایک ناتجربہ کار ایک اجنبی عورت اس کے گھر داخل ہوتی ہے، ہمیشہ کا اس سے ساتھ ہے، نہ یہ اس کا مذاق جانتا ہے اور نہ وہ اس کی طبیعت سے واقف ہے۔ اب یہ حیران ہے کہ اُس سے کس طرح سلوک کرے، کیا تعلقات دونوں میں قائم ہوں، کہاں تک اسکے جذبات کا خیال رکھے اور کیا حقوق اُس عورت کے اُس کے ذمہ ہیں اور کن حقوق کا یہ عورت سے مطالبہ کرے اور کیا برتاؤ اُس عورت سے اس کا ہو۔ لیکن اُسے حیرانی میں پڑنے کی ضرورت نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کے لئے نمونہ ہیں۔ آپؐ نے بھی شادی کی تھی آپؐ بھی بیاہ کر حضرت خدیجہؓ کو لائے تاریخ شاہد ہے اور سیرۃ کی کتابیں گواہ ہیں کہ کیسا حسن سلوک آپؐ نے خدیجہؓ سے برتا اور کیا وفاداری آپؐ سے ظہور پذیر ہوئی اور کیسی شفقت آپؐ اپنی بیوی پر کرتے تھے۔ میں اس جگہ صرف دو مثالیں نمونہ کے طور پر حدیث سے تحریر کرتا ہوں۔

پہلی بات حدیث میں یہ آئی ہے کہ حضرت خدیجہؓ کی وفات کے بعد جب کبھی رسول صلعم دعوت کرتے یا قربانی کرتے تو تقسیم گوشت وغیرہ میں حضرت خدیجہؓ کی سہیلیوں کا

ضرور خیال رکھتے اور یاد کر کے انہیں حصہ بھجواتے۔ دوسری بات جو اس سے بھی عجیب ہے وہ یہ ہے کہ حضرت خدیجہؓ کی وفات کے بعد آپؐ اُن کی تعریف اپنی دوسری بیویوں کے سامنے کیا کرتے تھے حالانکہ عام طور پر لوگ دوسری بیویوں کے سامنے پہلی بیویوں کی تعریف تو کجا بلکہ بُرائی کرتے ہیں تاکہ موجودہ بیویاں خوش رہیں۔ غرض ایک شادی شدہ شخص کے لئے بھی آپ نمونہ ہیں۔ پھر ایک شخص ہے جو شرعی ضرورتوں کے ماتحت ایک سے زیادہ نکاح کرتا ہے اب اس کے گھر میں متعدد بیویاں ہیں۔ ادھر عورتیں بالطبع نازک ہوتی ہیں ایک حد تک لڑائی جھگڑے کا بھی احتمال ہے دوسری طرف خود مرد کی طبیعت ایک کی طرف مائل ہے دوسری سے وہ محبت نہیں۔ اب اس شخص کی جان ایک مخمصے میں ہے کیا کرے کس سے دل لگا دے اور کس سے کیا سلوک کرے، دونوں میں مساوات رکھے یا کیا کرے۔ لیکن ایسے شخص کو بھی کوئی دقت نہیں۔ حضرت رسول کریمؐ اس کے لئے بھی نمونہ ہیں۔ آپؐ نے بھی تعدد ازدواج پر عمل کیا، آپؐ کے گھر میں بھی متعدد بیویاں تھیں لیکن جو حسنِ سلوک آپؐ نے اُن سے کیا وہ ہمارے لئے ایک سبق ہے اور جو مساوات آپؐ نے اُن کے درمیان قائم کی وہ تعدد ازدواج والوں کے لئے ایک عملی تعلیم ہے۔ غرض آپؐ نے باوجود بہت سی بیویاں کرنے کے کسی بیوی کی طرف ایسا میلان نہیں کیا جو عدل کے خلاف ہو اور نہ بیویوں ہی کو کبھی آپؐ کے عدل کے متعلق کوئی شکایت پیدا ہوئی۔ پھر ایک شخص ہے جسے خدا تعالیٰ اولاد سے متمتع کرتا ہے اور نسل کا سلسلہ اس سے چلتا ہے، بچوں کی پرورش اور نگرانی اس کے سپرد ہوتی ہے اور یہ کام ایک بڑا اہم کام ہے وہ اس کام سے کس طرح عہدہ برآ ہو اس کے لئے بھی آنحضرت صلعم کا اُسوہ قابلِ تقلید ہے۔ آپؐ کا بچوں سے شفقت کرنا، اُن کے افعال کی نگرانی کرنا، بچپن ہی سے انہیں دینی تعلیم دینا اور آوارگی سے بچانا ایک صاحبِ اولاد شخص کے لئے اولاد کی تربیت کے لئے ایک سبق ہے۔

بچوں کے افعال کی نگرانی کی ایک عجیب مثال نمونہ کے طور پر پیش کرتا ہوں۔ ایک دفعہ صدقہ کی کچھ کھجوریں دربارِ نبویؐ میں آئیں۔ حضرت امام حسنؓ یا امام حسینؓ (مجھے اس وقت تعیین یاد نہیں) جو چار سال کے تھے کھیلتے ہوئے آئے اور ایک کھجور اٹھا کر منہ میں ڈال لی۔ اب دیکھئے یہ معمولی بات تھی بچہ ایک کھجور منہ میں ڈال لیتا ہے مگر نہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً اُن کے منہ سے وہ کھجور نکلوا دی اور انہیں نصیحت کی کہ بیٹا صدقہ کی چیز ہمیں کھانی روا نہیں۔ اور دینی تعلیم کی مثال میں حضرت امام حسنؓ ہی کے متعلق ایک حدیث سُناتا ہوں۔ حضرت امام حسنؓ فرماتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دعائیں یاد کروایا کرتے تھے۔ غرض اولاد کی تعلیم و تربیت اور ان کے افعال کی نگرانی کے لحاظ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود ایک کامل اور قابلِ تقلید نمونہ ہے۔ پھر ایک شخص کی اولاد فوت ہوتی ہے اور قضاء قدر سے اس کی آنکھوں کا نور اس جہان میں نہیں رہتا۔ اور رشتہ دار فوت ہو جاتے ہیں یا ماں باپ سے شفیق یا بھائی بہن سے عزیز اسکے

سامنے انتقال کر جاتے ہیں اور ایک بڑی مصیبت کا سامنا اسے ہوتا ہے۔ ایسے صدمہ کے وقت بہت سے لوگ جزع فزع کرتے ہیں۔ کوئی منہ نوچتا ہے، کوئی چھاتی پیٹتا ہے، کوئی نوحہ کرتا ہے لیکن یہ سب باتیں خلافِ فطرت ہیں۔ ایسے شخص کے لئے سوائے رسول مقبولؐ کے اور کوئی شخص نمونہ نہیں۔ آپؐ کی دو بیویاں آپؐ کے سامنے فوت ہوئیں اور دو نوجوان بیٹیاں آپؐ کی زندگی میں انتقال کر گئیں اور چار فرزند نرینہ جگر کے ٹکڑوں نے آپؐ کے سامنے جان دی مگر ہمارے ہادیؐ نے کوئی بے صبری نہیں دکھائی، کسی جزع فزع سے کام نہیں لیا بلکہ بڑے صبر سے ان صدموں کو برداشت کیا۔ ہاں فطری رحم کی وجہ سے آنسو بہائے اور قساوت قلبی سے عملاً بیزاری اختیار کی اور اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ پڑھ کر اپنے عزیزوں کو قبر میں اتارا۔

پھر ایک اور شخص کی طرف توجہ کیجئے جو بستر مرگ پر پڑا ہے، بیماری نے مایوسی کی حالت اختیار کر لی ہے۔ دوست آشنا، بیوی بچے، مال و دولت سب کو چھوڑ چلا ہے۔ دنیا کی نعمتیں آنکھوں کے سامنے ہیں اور اگلے جہان کے واقعات مدِنظر ہیں۔ یقین ہے کہ اب کوچ کا وقت ہے۔ ایسے خوفناک وقت میں بہادر سے بہادر شخص کے چھکے چھوٹ جاتے ہیں اور دلیر سے دلیر شخص کا زہرہ آب ہوتا ہے، کبھی دوستوں عزیزوں کی جدائی کا خیال ستاتا ہے، کبھی بچوں کے یتیم رہ جانے، بیوی کے بیوہ ہو جانے کا خیال دل میں برچھیاں مارتا ہے۔ دنیوی نعمتیں ایک ایک کر کے سامنے آتی ہیں اور حسرت دلاتی ہیں۔ غرض نزع سے پہلے نزع سے بڑھ کر تکلیف ہوتی ہے۔ ہاں ایسے شخص کو ہمارے آقا کا نمونہ اختیار کرنا چاہیئے۔ آپ بھی بستر مرگ پر لیٹے ہیں، بیویاں اور لختِ جگر فاطمہ ایک طرف، جان سے زیادہ عزیز جاں نثار دوستوں کا مجمع دوسری طرف آنکھوں کے سامنے ہے۔ ایک سلطنت کے آپؐ کامل با اختیار بادشاہ ہیں۔ قیصر و کسریٰ کے ملکوں کی فتوحات کی بشارت مل چکی ہے۔ دنیوی نعمتیں سب اعلیٰ سے اعلیٰ رنگ میں سامنے ہیں مگر اس مقدس انسان کو دنیا کی کسی چیز کا بھی خیال نہیں بلکہ بالرفیق الاعلیٰ کہہ کر اپنے حقیقی رفیق کی ملاقات چاہتا ہے اور یہی کہتا ہوا اس سے واصل ہوتا ہے۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

غرض دنیا کا ہر شخص اپنی زندگی کے ہر شعبہ میں آپؐ کی اقتداء کر کے اپنی زندگی کو اعلیٰ سے اعلیٰ رنگ میں بسر کر سکتا ہے لیکن اسلام کے سوا اور کسی مذہب میں یہ بات نہیں کہ ان کی الہامی کتابوں کے ساتھ انکی تعلیم کا کوئی عملی اور کامل نمونہ بھی ہو۔ وید کہنے کو وہ چار وید ہیں اور یہ فرض بھی کر لیا کہ وہ کامل قانون اور مکمل ضابطہ ہیں مگر سوال تو یہ ہے کہ ویدوں کی تعلیم کا کوئی عملی نمونہ بھی ہے یا نہیں؟ کیا وید کے رشی ہمارے ہادی ہو سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔ نہ ان کی زندگی کے حالات معلوم نہ ان کی کوئی مستند سوانح عمری، نہ یہ معلوم کہ انہوں نے شادی کی اور بیوی سے عمدہ سلوک کیا، نہ ان کی اولاد ہوئی نہ ان کی تربیت کی ہم تقلید کر سکتے ہیں، نہ وہ ملکوں کے فاتح ہوئے کہ ہم فاتح ہونے کی حیثیت

یں اُن کے اُسوہ پر چلیں، نہ اُن کی وفات اور بیماری اور مصیبتوں کا حال معلوم کہ ہم ان سے استقلال اور صبر کا سبق سیکھیں۔ غرض وید کے رشی ہماری زندگی کے کسی ادنیٰ سے ادنیٰ شعبہ میں بھی ہمارے لئے نمونہ نہیں بن سکتے۔ ان کے بعد عیسوی مذہب کو لو، ان کے بانی حضرت مسیح ناصریؑ ہیں لیکن ان کی زندگی بھی وید کے رشیوں سے بڑھ کر نہیں نہ ان کی زندگی کے حالات تفصیل سے معلوم ہیں۔ نہ انہوں نے شادی کی کہ وہ ایک شادی شدہ عیسائی کے لئے اُسوہ بن سکیں اور نہ مجرّد رہنے کی وجہ سے ان کی اولاد ہوئی کہ ایک صاحبِ اولاد شخص اپنی اولاد کی تربیت اور تعلیم میں ان کے طرزِ عمل سے سبق حاصل کرے۔ نہ انہیں کسی ظالم دشمن سے مقابلہ پیش آیا کہ ہم ان کے استقلال اور صبر اور دشمن کے مقابلہ میں مستعدی اور جہاد کا مشاہدہ کریں۔ نہ وہ کسی ملک کے حاکم ہوئے کہ ان کے عدل اور رعیت پروری سے ایک بادشاہ سبق سیکھے اور نہ ہی مسیح ناصریؑ اپنے خونخوار دشمنوں کے فاتح ہوئے تاکہ امتحان کے وقت آپ کے جذبات کے قابو رہنے اور آپ کے رحم و کرم کا اندازہ لگایا جاسکے۔ غرض مسیح کی زندگی ہماری عملی زندگی کے لئے ہرگز ہرگز اُسوہ نہیں بن سکتی۔ اور اسلام کی یہ بےنظیر خصوصیت ہے کہ اس کی تعلیم کا ایک کامل اور عملی نمونہ حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا مقدس نمونہ ہے مگر وید کے علم اور عیسویت کا بانی کامل چھوڑ ناقص نمونہ بھی نہیں۔ الحمد للہ رب العالمین

چھٹی خصوصیت

چھٹی خصوصیت جو اسلام میں ہے اور اس کے سوا کسی اور مذہب میں نہیں پائی جاتی وہ اس کا تمام دنیا کو دعوت دینا ہے۔ اسلام کے سوا جس قدر اور مذہب ہیں وہ صرف خاص خاص ملکوں اور خاص خاص قوموں کی اصلاح کیلئے دنیا میں آئے لیکن اسلام کے بھیجنے والے نے اسے کسی خاص ملک یا کسی خاص قوم کے لئے نہیں بھیجا بلکہ اسے تمام دنیا کے لئے ایک ضابطہ مقرر کیا اور سارے جہان کے لئے ایک قانون کی صورت میں نازل کیا۔ علاوہ ازیں باقی مذاہب ایک خاص وقت تک اصلاح کر کے منسوخ کر دیئے گئے لیکن اسلام جس طرح تمام قوموں کے لئے ہے اسی طرح تمام زمانوں کو حاوی ہے اسلئے باقی مذاہب جب نازل ہوئے تو جس قوم کی اصلاح کے لئے آئے تھے صرف اُسی قوم کی افراط و تفریط دُور کی اور ان کے لئے انہیں کے مناسبِ حال احکام بیان کئے۔ دیگر قوموں سے انہیں کوئی واسطہ تھا اور نہ اُن کی اصلاح سے کوئی غرض۔ چنانچہ توریت کے مطالعہ سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ صرف بنی اسرائیل کی اصلاح کے لئے نازل ہوئی ہے اسے کسی اور قوم سے واسطہ نہیں۔ دیکھو جب حضرت موسیٰؑ مبعوث ہوئے تو اسوقت بنی اسرائیل فرعون کی ماتحتی میں اس کے ظالمانہ برتاؤ اور سلوک سہہ سہہ کر بالکل بے غیرت ہو گئے تھے۔ ان میں ہمت اور خودداری بالکل مفقود تھی۔ قوتِ انتقام جاتی رہی تھی اور ظالم کا مقابلہ کرنے کی جرأت باقی نہیں رہی تھی۔ چونکہ حضرت موسیٰؑ خاص اُن کی اصلاح کیلئے

آئے تھے اسلئے جب وہ بنی اسرائیل کو فرعون کے پنجہ سے چھڑا کے ملک شام میں لائے اور تورات شریف نازل ہوئی تو اس میں بنی اسرائیل کی ان قوتوں کو ازسرنو زندہ کرنے کے لئے جو فرعون کے ظلم سے قریباً مر گئی تھیں بہت سے احکام درج تھے۔ انتقام پر بار بار زور دیا گیا اور قصاص لینا فرض عین قرار دیا گیا۔ آنکھ کے بدلے آنکھ، کان کے بدلے کان، ناک کے بدلے ناک، زخم کے بدلے زخم۔ غرض انتقام اور قصاص پر زور دے کر بنی اسرائیل کو پھر ایک غیور اور خود دار قوم بنا دیا۔ پھر اس کے تیرہ صدیوں بعد جب بنی اسرائیل قصاص لے لیکر سخت دل ہوئے اور انتقام پر زور دینے کی وجہ سے سخت دلی ان میں پیدا ہو گئی اور وہ ایک کینہ توز قوم ہو گئے اور قساوت میں ضرب المثل ہو گئے تو مسیح سا اولوالعزم رسول آیا اور جو وحی اس پر نازل ہوئی اس میں قصاص کو بالکل محو کر دیا گیا اور انتقام کی سخت مذمت کی گئی۔ تورات کے ایسے تمام احکام منسوخ کر دیئے گئے جن میں انتقام یا قصاص کا سبق دیا گیا تھا اور اس کی جگہ عفو پر زور دیا گیا۔ درگزر کی تعریف کی گئی حلیمی اور چشم پوشی کو سراہا گیا بلکہ یہاں تک کہا گیا کہ اگر کوئی شخص داہنے گال پر تھپڑ مارے تو بجائے بدلہ لینے کے بایاں گال بھی اس کے آگے کر دے یہ کیوں؟ صرف اسی لئے کہ تورات اور انجیل تمام دنیا کے لئے نہیں بلکہ صرف ایک خاص قوم کی اصلاح کیلئے نازل ہوئیں اور اپنے اپنے وقت میں جن جن خرابیوں میں اس قوم کو دیکھا اُن کے دُور کرنے پر زور دیا چونکہ تورات کے وقت صفت غضب اور قوت انتقام کی ضرورت تھی اسلئے تورات نے ان پر زور دیا اور عفو کو باطل کیا مگر مسیح کے زمانہ میں چونکہ عفو اور درگزر مفقود تھے اور قوم میں ان کی ضرورت تھی اس لئے انجیل میں انہیں پر زور دیا گیا اور انتقام کو باطل کیا گیا۔ لیکن قرآن مجید چونکہ کسی خاص قوم کی اصلاح کے لئے نہیں آیا بلکہ تمام دنیا کی اصلاح اس کا مقصود تھی اسلئے کسی ایک قوم کی بُرائیوں کو دُور نہیں کیا بلکہ مجموعی طور پر تمام قوموں کی خرابیوں سے منع فرمایا اور تمام اخلاق فاضلہ کے حصول پر زور دیا۔ اور جس طرح قوت انتقام اور قصاص پر زور دیا اور انہیں دنیا کے لئے امن کا موجب ٹھیرایا اسی طرح عفو اور درگزر کی تاکید اکید کی اور انہیں اس عالم کی سکینت کا سبب قرار دیا۔ غرض نہ افراط کی راہ اختیار کی نہ تفریط کی۔ تمام بُرائیوں کی اصلاح بھی کر دی اور تمام خوبیوں کی تحریک و تحریص بھی فرمائی۔ اسلام کے سوا باقی جس قدر مذاہب ہیں انہیں یہ شرف حاصل نہیں۔ وہ صرف ایک خاص ملک اور زمانہ کی اصلاح کے لئے آئے۔ اس کے ثبوت میں ہم دو باتیں پیش کرتے ہیں۔ پہلی تو یہ کہ غیر مذاہب کی الہامی کتابوں میں یہ دعویٰ ہرگز نہیں کہ ہم تمام دنیا کی ہدایت کے لئے آئی ہیں۔ یہ دعویٰ نہ وید میں ہے نہ تورات میں اور نہ انجیل میں کہیں بھی اس کا ذکر نہیں۔ اور جب وہ کتابیں خود اس بات کا دعویٰ نہیں کرتیں کہ ہم تمام جہان کی اصلاح کے لئے آئی ہیں تو کسی اور کا کیا حق ہے کہ وہ ان کے متعلق یہ دعویٰ کرے۔ ہاں

قرآن مجید نے بہت صاف لفظوں میں اس بات کا اعلان فرمایا ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے یٰاَیُّھَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا۔ یعنی اے رسولؐ تو لوگوں میں بڑے زور سے اعلان کر کہ میں تمام دنیا کی اصلاح کے لئے بھیجا گیا ہوں۔ ادھر رسول صلعم اس حکم کی تعمیل میں فرماتے ہیں کَانَ النَّبِیُّ یُبْعَثُ اِلٰی قَوْمِہٖ خَاصَّۃً وَبُعِثْتُ اِلَی النَّاسِ عَامَّۃً۔ یعنی پہلے نبی صرف اپنی اپنی قوم کی طرف بھیجے جاتے تھے لیکن میں تمام دنیا کے لئے نبی ہو کر آیا ہوں۔ دوسری بات یہ ہے کہ علاوہ اس کے کہ اور مذاہب نے تمام دنیا کے لئے مصلح ہونے کا دعویٰ نہیں کیا۔ خود ان کے مسلمات سے پتہ لگتا ہے کہ وہ خاص قوم اور خاص ملک کے لئے آئے تھے۔ چنانچہ ویدک دھرم والوں کا یہ مذہب ہے کہ وید ہمیشہ آریہ ورت میں نازل ہوئے اور صرف سنسکرت زبان ہی میں الہام کا نزول ہوا۔ اس عقیدہ سے پتہ چلتا ہے کہ یہ وید صرف ہندوستان کے لئے آیا اور صرف آریہ ورت والوں کی اصلاح کی غرض سے نازل ہوا۔ ورنہ اگر اور ملکوں اور دوسری قوموں کی ہدایت بھی اس کا مقصود ہوتی تو آریہ سماج کا یہ عقیدہ ہونا چاہیئے تھا کہ وید کبھی ہندوستان میں نازل ہوتا ہے اور کبھی ایران میں اور کبھی کسی اور ملک میں۔ اسی طرح وید کی زبان کبھی سنسکرت ہوتی، کبھی عربی، کبھی کوئی اور زبان لیکن وہ ایسا نہیں مانتے بلکہ وید کے نزول کو صرف آریہ ورت میں اور وید کی زبان کو صرف سنسکرت میں محدود و مقید خیال کرتے ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ وید کے نزول کی غرض صرف آریہ ورت کی اصلاح تھی نہ کوئی اور مقصود۔

اس کے بعد توریت کو لو۔ اس میں تمام احکام صرف بنی اسرائیل کے لئے ہیں۔ ہر حکم اور نہی میں صرف بنی اسرائیل کو مخاطب کیا گیا ہے اور تمام قوانین اور ضوابط صرف بنی اسرائیل کے لئے تجویز کئے گئے۔ اس سے ثابت ہوا کہ توریت کا نزول صرف بنی اسرائیل کی ہدایت کے مقصد کو اپنے اندر لئے ہوئے تھا۔ پھر توریت کے تیرہ سو برس بعد مسیح کی بعثت ہوئی۔ آپ کا مشن بھی عام نہ تھا بلکہ صرف بنی اسرائیل کی ہدایت آپ کے مدنظر تھی۔ چنانچہ انجیل میں آپ نے صاف لفظوں میں اقرار کیا کہ میں صرف بنی اسرائیل کی گم شدہ بھیڑوں کے لئے بھیجا گیا ہوں مجھے اور قوموں سے واسطہ نہیں۔ اور اس کی تائید میں مسیح کے متعلق قرآن مجید وَرَسُوْلًا اِلٰی بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اور لُعِنَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ فرماتا ہے۔ اور برخلاف ان مذاہب کے اسلام تمام دنیا کے لئے ہے کوئی خاص قوم اسکے زیر نظر نہیں اور اس بات کے کئی ثبوت ہیں (۱) اوّل یہ کہ اس میں جو احکام ہیں ان میں تمام دنیا کے لوگوں کو مخاطب کیا گیا ہے جیسا کہ فرماتا ہے یٰاَیُّھَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّکُمْ اور کسی جگہ بھی عربوں یا قریش کی کوئی تخصیص نہیں (۲) قرآن مجید میں قُلْ یٰاَیُّھَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا کہہ کر تخصیص کو باطل کیا ہے (۳) رسول صلعم نے بُعِثْتُ اِلَی النَّاسِ عَامَّۃً فرما کر دعوتِ عامہ کا اقرار فرمایا۔

(۴) آپ نے اپنی زندگی میں تمام مشہور و معروف بادشاہوں کے نام تبلیغی خط لکھے حالانکہ وہ بادشاہ نہ آپؐ کی قوم سے تھے اور نہ آپؐ کے ملک سے اُن کا کوئی تعلق تھا۔ چنانچہ روم، ایران، مصر اور حبشہ کے بادشاہوں کو اسلام کی دعوت دی (۵) خود آپؐ کے ہاتھ پر مذہب کے لحاظ سے یہودی، عیسائی، مجوسی اور ملک کے لحاظ سے رومی، ایرانی، مصری اور شامی اپنا مذہب چھوڑ کر مسلمان ہوئے۔ اور آپؐ نے جس طرح اپنی قوم کو دعوت دی اُسی طرح غیر قوموں میں تبلیغ کی۔ غرض اسلام کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ تمام دنیا کے لئے ہے اور اسی لئے اس کی تعلیم تمام پہلوؤں سے مکمل ہے لیکن اور مذاہب صرف خاص خاص قوموں کی ہدایت کے لئے آئے اور یہی وجہ ہے کہ وہ اپنی قوم کے لئے کامل کہے جا سکتے ہیں لیکن تمام دنیا کے لئے انہیں ہم مکمل ضابطہ نہیں کہہ سکتے۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

ساتویں خصوصیت

سچے مذہب کے لئے یہ بات نہایت ضروری ہے کہ اس کا لانے والا جس قوم یا جس ملک کی اصلاح کے لئے وہ مذہب لایا ہو واقعہ میں اس مذہب کے اصولوں کو ترویج دیکر اصلاح میں کامیاب ہو گیا ہو اور اپنی قوم یا اہلِ ملک کی غفلتوں اور بدیوں کو دُور کرنے میں کامیاب بھی ہوا ہو۔ کیونکہ کسی مذہب کا سب سے بڑھ کر متبع وہی ہو سکتا ہے جس پر وہ مذہب بذریعہ الہام نازل ہو۔ کیونکہ جو ایمان اس الہامی کلام پر اُسے ہوگا جس پر وہ نازل ہوا دوسرے کسی اَور کو نہیں ہو سکتا۔ اور جب بانیٔ مذہب اور ملہم اپنی تعلیم کا خود کامل متبع بن کر دوسروں کی اصلاح شروع کرے اور کامیاب نہ ہو تو اَور کون ایسا شخص ہو سکتا ہے جو اس تعلیم سے دنیا کی اصلاح کر سکے۔ غرض کسی مذہب کی سچائی معلوم کرنے کے لئے منجملہ اور معیاروں کے ایک نہایت ضروری معیار یہ بھی ہے کہ بانیٔ مذہب کی زندگی پر نظر ڈالی جائے اور معلوم کیا جاوے کہ اس نے اپنی قوم کی طرف مبعوث ہو کر ان کی جن بدیوں اور گناہوں اور غفلتوں کے دُور کرنے کا بیڑا اٹھایا تھا اس میں کامیاب ہُوا یا نہیں اور اپنی قوم میں ایک بے نظیر تبدیلی پیدا کی یا نہیں؟ اگر ان سوالوں کا جواب اثبات میں ملے تب تو سمجھنا چاہیئے کہ وہ مذہب سچا اور منجانب اللہ ہے اور اگر جواب نفی میں دیا جائے تو پھر ثابت ہوگا کہ وہ مذہب منجانب اللہ نہیں کیونکہ خود بانیٔ مذہب اس مذہب کو ہاتھ میں لیکر اُٹھا لیکن اصلاح نہ کر سکا اور اس نسخہ سے بیمار نے شفا نہیں پائی۔ معلوم ہُوا کہ وہ نسخہ ہی کسی لائق طبیب کا تجویز کردہ نہیں۔ اب ہم اس معیار سے اسلام اور دیگر مذاہب میں موازنہ کرتے ہیں۔ سو جاننا چاہیئے کہ ہمارے سامنے اس ملک میں دو بڑے مذہب اسلام کے مدمقابل ہیں عیسائیت اور ہندو دھرم۔ پہلے مذہب کا بانی مسیح ناصریؑ ہے اور دوسرے مذہب کے ملہم چار رشی ہیں۔ اب ہم نے معلوم کرنا ہے کہ آیا ہر دو مذہب کے بانیوں نے دنیا میں مبعوث ہو کر اپنی تعلیم سے دنیا میں کونسی خارق عادت تبدیلی پیدا کی۔ پہلے رشیوں کو لو۔ ان کے حالات کی تفتیش کرو۔ لیکن ہزار تحقیق و تدقیق کے بعد بھی ان کی کوئی بات معلوم نہیں ہو سکتی۔ نہ پتہ لگتا

ہے کہ وہ کب ہوئے اور کس علاقہ میں ہوئے۔ کتنے برس زندہ رہے۔ دنیا میں کیا اصلاح کی۔ اپنی تعلیم سے کیسی کیسی خرابیاں دور کیں۔ بگڑی ہوئی قوم کی کیسی ردّی حالت تھی پھر اصلاح کے بعد کیا نقشہ ہوگیا۔ غرض جس قدر بھی تفتیش کرو کوئی بے نظیر تبدیلی نہ پاؤ گے۔ اب اگر کوئی شخص آریہ ہونا چاہے تو وہ وید کے ملہموں میں کونسی خصوصیت معلوم کر سکتا ہے۔ جب ملہمین کے حالات ہی کتم عدم میں ہیں تو وہ شخص وید کی تعلیم اور ان کے رشیوں کی قوتِ قدسیہ کا کس طرح اندازہ لگا سکتا ہے۔

جب بانیانِ مذہب کی شخصیت ہی پردہ میں ہے تو اس مذہب کے مؤثر ہونے اور دنیا میں تبدیلی پیدا کرنے اور گری ہوئی قوموں کو اُبھارنے اور بداخلاقوں کو با اخلاق بنانے کا کیا ثبوت ہے جب ایک دوا کا کسی ڈاکٹر نے تجربہ ہی نہیں کیا اور کسی مریض پر استعمال کر کے اس دوائی کا امتحان ہی نہیں ہوا تو اس دوائی کی تعریف کرنی اور اس کے استعمال پر لوگوں کو آمادہ کرنا کھلی کھلی گمراہی ہے۔ اسی طرح وید کی قوتِ قدسیہ اور اس کے چار رشیوں کی قوتِ جاذبہ کا جب پتہ ہی نہیں اور کوئی تاریخی ثبوت ہی نہیں ملتا تو ایسے مذہب کو دنیا کے سامنے پیش کرنا ایک بڑی بھاری غلطی ہے۔ اس کے بعد عیسویت کو لو۔ اس کا بانی مسیح ہے۔ آپ کی بعثت یہود میں ہوئی جو نہایت گری ہوئی قوم تھی۔ آپ نے ان میں تبلیغ کا کام شروع کیا اور لوگوں کو اپنی تعلیم سے اپنی طرف کھینچنے لگے لیکن بقول عیسائیوں کے اس دنیا سے رخصت ہونے تک بہت تھوڑے لوگ باقاعدہ آپ کے مذہب میں داخل ہوئے اور کُل بارہ آدمی آپ کے فیضِ صحبت سے تیار ہوئے۔ ہم ان بارہ آدمیوں کو دیکھتے ہیں کہ آیا مسیح نے ان کے اخلاق، عادات اور ایمانی حالت میں کوئی تبدیلی پیدا کی یا نہیں۔ انجیل کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی تبدیلی نمایاں ان میں پیدا نہیں ہوئی۔ سنیئے بارہ میں سے ایک نے تو ایسی بے وفائی دکھائی کہ اپنے آقا مسیح کو تیس روپوں کے عوض اس کے خونخوار قاتلوں کے ہاتھ فروخت کیا۔ اب رہے گیارہ ان میں سب سے زیادہ معتمد علیہ پطرس تھا۔ اس کے متعلق انجیل میں لکھا ہے کہ مسیح نے اسے کہا کہ چل دور ہو مجھ سے اے شیطان۔ اور پھر یہ کہ وہ ایسا قوی الایمان تھا کہ تین دفعہ اس نے یہودیوں کے سامنے لعنت کی اور کہا کہ میں مسیح کو نہیں جانتا۔ باقی رہے دس اُن کے متعلق لکھا ہے کہ صلیب کے وقت سب تتر بتر ہو گئے۔ اور ایمانی حالت یہ تھی کہ جب مسیح صلیب سے بچ کر واپس آئے تو باوجود اس کے کہ انہوں نے شاگردوں کو سُنا دیا تھا کہ میں تیسرے دن پھر زندہ ہو جاؤں گا، شاگرد مسیح کو ایک خیالی روح ہی سمجھتے رہے اور مسیح کے کہنے پر ہرگز یقین نہ کیا جب تک کہ ان کے زخم ہاتھوں سے نہ ٹٹول لئے۔ پھر ذرا ذرا سی باتوں پر ایمان کمزور ہو جاتا رہا مثلاً ایک دفعہ ایک حواری کو مسیح نے اپنی قدرت سے پانی پر چلایا مگر اس کا ایمان ایسا کمزور نکلا اور بے اعتقادی اس حد تک تجاوز کر گئی کہ اس کی کمزوری کی وجہ سے مسیح کا معجزہ بھی اسے نہ چلا سکا۔ پھر انہیں حواریوں کے متعلق مسیح نے کئی مرتبہ اے کم اعتقاد

قوم کا لفظ استعمال کیا۔ پھر ایک موقعہ پر جبکہ حواری ایک معجزہ نہ دکھلا سکے مسیح انہیں مخاطب کر کے کہتا ہے کہ اگر تم میں رائی برابر بھی ایمان ہوتا تو تم یہ معجزہ دکھلا سکتے تھے مسیح کے اس قول سے صاف ظاہر ہے کہ اس کے نزدیک حواریوں میں رائی کے برابر بھی ایمان نہ تھا۔ غرض مسیح نے تمام عمر میں ۱۲ آدمی تیار کئے وہ بھی بقول مسیح کم اعتقاد کمزور ایمان تھے اور کسی کا اپنے استاد کو پکڑوانا، کسی کا استاد کے منہ سے شیطان کا لقب حاصل کرنا، کسی کا اپنے استاد پر لعنت بھیجنا پھر صلیب کے موقعہ پر سب کا تتر بتر ہو جانا اور کم اعتقادی کی وجہ سے معجزہ نہ دکھلا سکنا یہ سب امور بتاتے ہیں کہ مسیح نے حواریوں میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں کی اور آپ کا مشن بالکل بار آور نہیں ہوا۔ اس کے بعد اسلام کو لو اس کا بانی علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک ایسی قوم میں مبعوث ہوا جو ہر قسم کی بدیوں میں گرفتار تھی۔ کوئی عیب نہ تھا جو ان میں نہ ہو، کوئی بے حیائی نہ تھی جو ان میں نہ پائی جاتی ہو۔ اعتقاد ان کے بگڑے ہوئے تھے، خیالات ان کے فاسد تھے، اعمال ان کے شنیع تھے۔ بت پرستی، کواکب پرستی میں تمام دنیا سے قدم بڑھائے ہوئے تھے۔ اوہام اور پریشان خیالی میں اپنی نظیر آپ تھے۔ قتل و غارت کے عادی اور پھر اس پر فخر کرتے تھے۔ شراب کا پینا فرض عین تھا۔ جوئے کے بغیر کسی شریف کی شرافت قائم نہ رہتی تھی۔ کمزوروں پر ظلم کرنا امارت کی نشانی تھی۔ لڑکیوں کو زندہ دفن کرتے تھے۔ اتفاق کے نام سے بھی واقف نہ تھے۔ ایک ملک میں ہزاروں

علیحدہ علیحدہ جتھے تھے جو صدیوں کے کینے نکالنے کیلئے ہر وقت آمادہ تھے لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسلامی تعلیم اور فرقان حمید ہاتھ میں لیکر ان میں تشریف لائے اور اپنی وفات سے پہلے ایک بے نظیر تبدیلی ان میں پیدا کر دی جو بس آپ ہی کے شایان شان تھی۔ بت پرستی کا تمام ملک سے استیصال کر دیا۔ غیر اللہ کی پرستش لوگوں کے دلوں سے محو ہو گئی۔ ہزاروں بت خود ان کے پجاریوں نے توڑ ڈالے، کوئی ایک بت بھی سرزمین عرب میں باقی نہ رہا۔ اور پھر عربوں کے قلوب کی اصلاح کی۔ سب خانہ جنگیاں موقوف کیں۔ پرانے کینے دلوں سے دور کئے۔ ایک سرے سے دوسرے سرے تک سب کو بھائی بھائی بنا دیا۔ اختلاف کی جگہ اتفاق کی روح پھونک دی۔ وہ قوم جو سراسر جہالت میں ڈوبی پڑی تھی علم کے سمندر میں غوطہ زن ہوئی، شراب اور جوا موقوف ہو گئے، کوئی ایک متنفس بھی ایسا نہ رہا جو شراب کا استعمال کرتا ہو، جوئے کا نام عرب کے لوگ بھول گئے، لڑکیوں کے قتل سے لوگ رک گئے اور اس غریب مخلوق کو ہلاکت کے ہاتھوں سے بچا لیا گیا۔ ظالموں کے ظلم سے مخلوق بچ گئی۔ بڑے چھوٹے کی تمیز نہ رہی مساوات کا سبق عملاً دیا گیا۔ وہ قوم جو تنزل کے گہرے گڑھے میں غرق تھی ترقی کے بلند مینار پر چڑھا دی گئی۔ غرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات نہیں پائی جب تک جس قوم کی اصلاح کیلئے آپ مبعوث ہوئے تھے اس کی اصلاح نہ کر لی اور اسکے تمام گندوں کو دور نہ کیا، اس کی سستی کو چستی سے نہ بدل دیا۔ جن جن عیبوں میں عرب لوگ گرفتار تھے وہ

سب اُن سے دُور کئے۔ تاریخ کے ورق بتاتے ہیں کہ دنیا میں کسی مصلح نے ایسی اصلاح نہیں کی جیسی حضرت محمد رسول اللہ صلعم نے کی۔ ان کی عادتیں بدل دیں، بداخلاقیاں دُور کیں، جہالت کے بدلہ میں علم سے متمتع کیا، بے اتفاقی کی بجگہ اتفاق پیدا کیا، وہ مُردہ تھے اُن میں زندگی کی رُوح پھونک دی اور وہ قوم جو کسی کے شاگرد ہونے کے قابل بھی نہ تھی اسے دنیا کا استاد بنا دیا لیکن آپؐ کے مقابل ویدوں کے رشی اور عیسویت کا بانی جن قوموں میں آئے اُن کی کچھ اصلاح نہ کر سکے اور جسے اصلاح کہا جاتا ہے وہ نہ کرنے کے برابر ہی ہے۔ کوئی بے نظیر تبدیلی اُن سے ثابت نہیں اور یہ بھی اسلام کی صداقت کی زبردست دلیل ہے۔

والحمد لله رب العالمين۔

آٹھویں خصوصیت

مذہب کی اصل غرض خدا تعالےٰ کا عرفان ہے جس مذہب اور دین میں اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی صفات اور اس کے افعال کو کما حقہٗ بیان نہیں کیا گیا وہ دین اور وہ مذہب خدا تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ جب اس سے اصل مقصود ہی نہیں حاصل ہوتا تو اُسے اختیار کرنے سے کیا فائدہ لیکن جس مذہب میں اللہ تعالیٰ کی ذات حقہ اور صفاتِ حسنہ اور افعالِ طیبہ کو کما حقہٗ بیان کیا جائے اور اسکی ذات کے متعلق کوئی ناقص تعلیم نہ دی جائے، اس کی صفات کی نسبت کوئی غلط عقیدہ تسلیم نہ کیا جاوے، اس کے افعال کو تمام نقائص سے مبرّا ٹھہرایا جاوے وہ مذہب یقیناً منجانب اللہ ہے کیونکہ وہ اپنی اصل غرض کو پُورا کرتا ہے اور جس غرض کے لئے کوئی مذہب دنیا میں آنا چاہیئے وہ غرض اس کے وجود سے پوری ہوتی ہے۔ اب ہم اسلام، آریہ دھرم اور عیسائیت کا مقابلہ کرتے ہیں۔ معلوم کرنا چاہیئے کہ ان تینوں مذہبوں میں خدا کی طرف سے کونسا مذہب ہے اور اللہ تعالےٰ کی ذات، اس کی صفات اور اس کے افعال کے متعلق کس مذہب نے عرفان تک پہنچایا ہے۔ سب سے پہلے آریہ مذہب کو لو اور ان کے مذہب پر تنقیدی نظر ڈالو اور خدا کی ذات، صفات، افعال کے متعلق ان کا مذہب معلوم کرو تو معلوم ہو جاویگا کہ آریہ دھرم خدا تعالیٰ کے عرفان میں بالکل ناقص ہے۔

کیونکہ خدا تعالیٰ خالق ہے اور تمام رُوحیں اور اجسام اُسی کے پیدا کئے ہوئے ہیں اور دنیا کا ذرّہ ذرّہ اس کے ہاتھ کی صنعت ہے، وہ قدیم ہے باقی سب حادث ہیں، وہ محتاج الیہ ہے باقی سب اُس کے دَر کے محتاج ہیں، وہ خالق ہے دنیا اس کی مخلوق ہے وہ بَدِیْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ہے اور یہی اعتقاد انسان کی فطرت میں مرکوز ہے اور فطرتِ انسانی اسی بات کی مقتضی ہے کہ کوئی چیز بغیر کسی علت کے ظہور پذیر نہ ہو اور ہمارا مشاہدہ اور تجربہ بھی اسی کا شاہد ہے کہ دنیا کی کوئی چیز بغیر کسی کے بنانے کے خود بخود نہیں بن سکتی اور دنیا کی سب چیزیں اُسی قادرِ مطلق کی بنائی ہوئی ہیں۔ ہمارا جسم بھی اُسی کا دیا ہوا ہے اور ہماری روح بھی اُسی کا عطیہ ہے لیکن آریہ مذہب میں خدا کو نہ

جسموں کا خالق مانتے ہیں نہ رُوحیں اُس کی پیدا شدہ تسلیم کرتے ہیں صرف جوڑنے توڑنے کی ایک ادنےٰ حیثیت اسے دی ہوئی ہے اور ایک کمہار سے زیادہ مرتبہ اسے نہیں دیا گیا اور یہ اس القادر کی ذات میں بڑا نقص ہے۔ کیا آریوں کا یہی عرفان ہے جس پر انہیں ناز ہے؟ کیا ایسے خدا کے آگے ہم جبیں نیاز دکھا سکتے ہیں جو نہ ہمارے جسم کا خالق نہ ہماری رُوح اس کی بنائی ہوئی، نہ ہمارا مادّہ اپنی پیدائش میں اس کا محتاج اور نہ ہماری رُوح اس کی احسان مند؟ پھر جب ہماری رُوح اور ہمارے جسم کی پیدائش میں اس کا کسی قسم کا کوئی تعلق نہیں تو آریہ مذہب خدا کی عبادت اور اس کی اطاعت اور احسانمندی کی کیوں تعلیم دیتا ہے؟ ہم بلا وجہ کیوں کسی کے احسانمند ہوں۔ ایشور کو کوئی استحقاق حاصل نہیں کہ ہم اس کی اطاعت کریں، اس کے حکموں پہ چلیں، اس کے بنائے ہوئے قانون پر عملدرآمد کریں نہ اس کا ہمارے مادّہ کے ظہور پذیر کرنے میں دخل ہے، نہ ہماری رُوح کے متعلق اس کا کوئی احسان ہے کہ ہم اس کے احسانمند ہوں۔ اس سے ثابت ہُوا کہ آریہ مذہب کا عرفان ناقص ہے اور جو حقیقی پوزیشن ذاتِ باری کو حاصل ہے اس سے یہ مذہب خدا کو گرا رہا ہے۔

پھر دوسری بات جو نظر صحیح خدا کے متعلق تسلیم کرتی ہے وہ یہ ہے کہ وہ ذاتِ والا صفات قادرِ مطلق ہے، تمام چیزیں اس کے دستِ تصرف میں ہیں، کوئی چیز اُس کے قبضۂ قدرت سے باہر نہیں، وہ سب پر اپنے علم اور قدرت سے محیط ہے، ہر چیز اپنے قیام میں اس کی محتاج ہے جسے چاہے فنا کر دے اور جسے چاہے فنا کا مزا چکھا دے لیکن آریہ دھرم اس بات میں بھی غلط تعلیم پیش کرتا ہے اور وہ خدا کو اس بات پر قادر نہیں سمجھتا کہ وہ کسی کو فنا کر سکے بلکہ اس کا یہ عقیدہ ہے کہ خدا میں کسی چیز کے فنا اور معدوم کرنے کی ہرگز قدرت نہیں لیکن غور کرنا چاہیئے کہ جب ایشور ہمیں معدوم نہیں کر سکتا، نہ ہمارے مادّہ کو فنا کرنے پر قادر ہے، نہ ہماری رُوح کو وہ معدوم کر سکتا ہے تو ہمیں اس سے خوف کی کیا وجہ اور اس کی نافرمانی میں کیا مضائقہ؟ اور پھر وہ ہمارا مالک کیسا اور ہمارا اس سے تعلق کیا؟ نہ وہ ہمیں پیدا کرتا ہے، نہ فنا کرنا اس کے اختیار میں ہے سو نہ ہمیں اس سے کوئی امید ہی کرنی چاہیئے اور نہ کوئی خوف ہی اس کا ہمارے دل میں ہوگا۔ لیکن ظاہر ہے کہ شریعت کا انسان تب ہی پابند ہو سکتا ہے کہ جب خدا کے انعامات کا امیدوار اور اس کے عتاب سے خائف ہو۔ اور یہ دونوں باتیں حاصل نہیں ہو سکتیں جب تک خدا تعالیٰ کو عدم سے وجود میں لانے اور وجود سے معدوم کرنے پر قادر نہ سمجھا جاوے اور آریہ صاحبان ان دونوں باتوں کے منکر ہیں اسلئے ان کے مذہب کو مان کر پھر خدا تعالیٰ کا حقیقی عرفان کبھی حاصل نہیں ہو سکتا۔ ان دونوں باتوں کے بعد تیسری بات جو قابلِ ذکر ہے وہ یہ ہے کہ جتنا وسیع الحوصلہ اور غنی

انسان ہوگا اتنا ہی سخاوت اور فیض رسانی میں وہ اَوروں سے زیادہ ہوگا۔ اور خدا تعالیٰ کا وجود چونکہ سب سے غنی تر ہے اور فیض رسانی میں سب سے بڑھ کر ہے اسلئے اس کے متعلق فطرتِ صحیحہ یہی تجویز کرتی ہے کہ وہ نیکی کا بدلہ بغیر حساب دینے والا ہے اور عاجز انسان کے محدود عملوں کا محدود بدلہ نہیں دیتا کیونکہ جب ایک انسان کو ہم دیکھیں کہ وہ مزدور کو اس کی مزدوری سے بڑھ کر انعام دیتا ہے تو ہم اس شخص کو اچھا سمجھیں گے اور اس کی تعریف کرینگے اور ہمارے دل میں اس کی عظمت پیدا ہوگی سو جب ایک انسان کے لئے مزدوری سے بڑھ کر انعام دینا اور کام سے بڑھ کر اجر دینا خوبی کا موجب ہے اور قابلِ تعریف امر ہے تو خدا تعالیٰ کے لئے تو ضروری تسلیم کرنا چاہیئے کہ وہ اپنے فرمانبردار بندوں کے اعمال سے بڑھ کر انعام عطا فرماتا ہے لیکن آریہ دھرم میں خدا تعالیٰ کے درجہ کو بہت گھٹایا گیا ہے اور اس کے نزدیک خدا تعالیٰ کسی کو اس کی نیکی سے بڑھ کر جزا نہیں دے سکتا اور جتنا کوئی کام کرے صرف اتنا بدلہ اسے ملیگا خدا تعالےٰ ایک ھبہ بھی کسی کو اپنی خوشی سے بخش نہیں سکتا۔ لیکن غور کرنا چاہیئے کہ جب ایشور ہم سے تاجرانہ معاملہ کرتا ہے اور جتنا کام کریں صرف اتنا ہی بدلہ دیتا ہے تو وہ ہمارا محسن کیسا ہے؟ کیا کبھی کسی نے دکاندار کو بھی اپنا محسن سمجھا ہے؟ ہرگز نہیں۔ اس کی وجہ صرف یہ کہ تاجر کوئی چیز بطور احسان نہیں دیتا بلکہ ہمارے روپوں کے عوض ہمیں اپنا مال سپرد کرتا ہے اسی طرح اگر ایشور صرف کام کے مطابق مزدوری اور عمل کے برابر اُجرت دیتا ہے تو ہم اس کے ممنونِ احسان نہیں ہوسکتے اور نہ ہمارے دل میں اس کے شکریہ کا جذبہ پیدا ہوگا بلکہ ہمارے نزدیک اسکی حیثیت صرف ایک دکاندار یا کسی کو مزدوری پر لگانے والے کی ہوگی۔ غرض آریہ مذہب کے متعلق جتنا بھی غور کریں اتنا ہی عرفانِ الٰہی کے متعلق وہ نقصوں سے پُر نظر آئے گا اور جب عرفانِ الٰہی ہی کسی مذہب میں کماحقہٗ نہیں تو اس مذہب کا کیا فائدہ! اس کے بعد عیسویت کو لو، یہ مذہب آریہ دھرم سے بھی گیا گزرا ہے۔ اس نے الٰہی صفات کو نہایت بُرے رنگ میں پیش کیا ہے اور گو آریہ لوگ اللہ تعالیٰ کو عدم سے وجود میں اور وجود کو عدم میں لانے والا اور کام سے بڑھ کر اجر دینے والا نہیں مانتے لیکن یہ کسی آریہ نے بھی کبھی نہیں کہا ہوگا کہ خدا کبھی مجسم بھی ہوجاتا ہے اور پھر لوگوں کے ہاتھ پڑ کر صلیب دیا جاتا ہے اور دشمنوں سے ماریں کھاتا اور روتا چلاتا ہے لیکن یہ عیسویت میں ہے انجیل پڑھ کر دیکھو اس میں مسیح کو خدا ٹھہرایا گیا ہے پھر ساتھ ہی یہ بھی مانا ہے کہ یہودیوں نے خدا کو پکڑا اور صلیب دیا اور اس کے کوڑے مارے۔ اس پر ہنسی اور ٹھٹھا کیا۔ بھلا غور کرو کہ یہ باتیں کبھی خدا تعالیٰ کی ذاتِ بابرکات کے متعلق فطرتِ صحیحہ تسلیم کرسکتی ہے؟ وہ جو سب طاقتوروں سے بڑھ کر طاقتور ہے کبھی ایسی کمزور

مخلوق کے پنجہ میں گرفتار ہو سکتا ہے اور وہ جو سدا سے حیّ و قیّوم ہے کبھی صلیب پر ہلاک ہو سکتا ہے اور وہ جو سب معززوں سے بڑھ کر عزت والا ہے کبھی ذلیل کیا جا سکتا ہے اور وہ ہستی جو نہاں در نہاں ہے کیا کبھی جسم کثیف حاصل کر کے عوارض بشریہ (کھانا، پینا، پیشاب، پاخانہ کرنا) میں گرفتار ہو سکتی ہے؟ ہرگز نہیں۔ تَعَالَى اللّٰهُ عَمَّا يَصِفُوْنَ۔

پھر انجیل میں لکھا ہے کہ الوہیت کے اقنوم ثانی سے قیامت کی بابت پوچھا گیا تو اس نے جواب دیا کہ قیامت کا مجھے علم نہیں۔ کیا عیسائیوں کا یہی عرفانِ الٰہی ہے کہ خدا ہو کر آئندہ کا علم نہیں۔ کیا اسی خدا کی طرف مسلمانوں کو دعوت دی جاتی ہے جو العلیم الخبیر اور السمیع البصیر ہستی کے پرستار ہیں۔

پھر ایک مقام پر انجیل میں آیا ہے کہ ایک عورت نے خداوند مسیح سے کہا کہ قیامت کے دن میرے بیٹوں کو تو داہنے اور بائیں بٹھائیو۔ خداوند نے اسے جواب دیا کہ داہنے اور بائیں بٹھانا میرے اختیار میں نہیں۔ بتائیے اے عیسائی صاحبان کہ یہی بات خدا تعالیٰ کو شایانِ شان ہے کہ اسے اپنے حضور کسی کو جگہ دینے کا بھی اختیار نہیں۔ کیا قادرِ مطلق کی یہی حیثیت تمہارے مذہب میں ہے۔ غرض انجیل میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ عیسویت نے عرفانِ الٰہی نے مس تک بھی نہیں کیا۔

اس کے بعد اسلام کو لو اور اس کی تعلیم پر غور کرو۔ جس قدر بھی گہری نظر سے مطالعہ کرو گے اسی قدر واضح طور پر روشن ہو گا کہ عرفانِ الٰہی کے لحاظ سے اسلام کی شان بہت ارفع و اعلیٰ ہے اور اس بات میں دنیا کا کوئی مذہب اس سے ٹکّا نہیں کھا سکتا۔ نہ اس میں آریوں کی طرح خدا کو صرف کمہار کے رنگ میں پیش کیا گیا ہے اور نہ عیسائیوں کی طرح ایک ذلیل و عاجز انسان کی طرح بلکہ فرمایا خالق کلّ شیئٍ وہ ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے۔ اس نے تمہارا مادہ پیدا کیا اور اسی کے حکم سے تمہاری رُوح وجود میں آئی۔ جس طرح تمہارے جسم اس کی مخلوق ہیں اسی طرح تمہاری روحیں بھی اسی کی بنائی ہوئی ہیں۔ پھر فرمایا يُؤْتِيْ مَنْ يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ یعنی وہ ایک دکاندار کی طرح نہیں کہ صرف قیمت کے برابر سودا دیتا ہے بلکہ وہ ایک رحیم کریم مربی کی طرح ہے وہ ظاہری اعمال سے بڑھ چڑھ کر تمہیں جزا دیگا، اور بے حساب دیگا۔ پھر فرمایا لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ یعنی وہ عیسائیوں کے خدا کی طرح جسم کثیف نہیں رکھتا بلکہ نہاں در نہاں ہستی ہے اور ایک مقام پر فرمایا لِلّٰهِ الْعِزَّةُ یعنی حقیقی عزت کا وہی مستحق ہے۔ اسے کوئی ذلیل نہیں کر سکتا۔ پھر فرمایا وَعِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ یعنی اسلامی خدا کو عیسائیوں کے پیش کردہ خدا کی طرح نہ سمجھنا جسے قیامت کی آمد وغیرہ کے متعلق کچھ علم نہ تھا کیونکہ مسلمانوں کا خدا قیامت کا کامل علم رکھتا ہے۔ پھر ایک مقام پر قرآن شریف فرماتا ہے الحیّ یعنی اسلامی خدا سدا سے زندہ ہے اور سدا زندہ رہے گا اسے کوئی

صلیب پر چڑھا کر ہلاک نہیں کر سکتا۔ غرض اسلامی تعلیم میں جس قدر بھی غور کرو عرفان الٰہی بڑھتا ہے لیکن آریہ مذہب اور عیسویت میں عرفانِ الٰہی بالکل ناقص ہے اور یہ اسلام ہی کی خصوصیت ہے کہ وہ سچے مذہب کے معیاروں پر پورا اُترتا ہے۔

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

نویں خصوصیت

دنیا میں ہر چیز کا ایک ظاہر ہوتا ہے اور ایک باطن لیکن چونکہ باطنی پہلو ہمارے ادراک سے باہر ہوتا ہے اس لئے ہم اس پر کوئی فتویٰ نہیں دے سکتے بلکہ ہماری رائے کا دارومدار سب ظاہری پہلو پر ہوتا ہے اور بھلی یا بُری رائے جو بھی ہم کسی کے متعلق قائم کرتے ہیں وہ سب ظاہری پہلو کے لحاظ سے ہوتی ہے اور اسی پر تمام تعریفوں اور مذمتوں کا انحصار ہے۔ ایک شخص کو ہم وضو کرتے ہوئے دیکھتے ہیں بہت اچھا طرح وضو کرتا ہے پھر برابر بلاناغہ پنجوقتہ نماز کے لئے مسجد میں جاتا اور فرائض و سُنن کما حقہٗ ادا کرتا ہے جب ہم یہ تمام باتیں اس سے مشاہدہ کریں گے تو ہم بھی فتویٰ دیں گے کہ فلاں شخص بڑا نمازی، بڑا پابندِ شریعت، بڑا عابد ہے۔ کوئی نقص اس کی نماز میں نہیں اور ہم اس کی بزرگی کے قائل ہوں گے حالانکہ ایک شبہ کرنے والا شخص شبہ کر سکتا ہے کہ یہ اس کی نماز کا ظاہری پہلو ہے۔ باطنی پہلو یعنی خشوع اور خضوع اور خالصۃً خدا کے لئے پڑھنا یہ ہماری نگاہ سے پوشیدہ ہے اسلئے ہم کس طرح اسکی بزرگی کا فتویٰ دے سکتے ہیں۔ مگر تاہم ہر شخص جب تک کوئی ظاہری خرابی اس میں نہ پائے گا تب تک اسے عزت ہی کی نگاہ سے دیکھے گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ کسی چیز کی خوبی یا خرابی معلوم کرنے کے لئے ظاہری پہلو کا بڑا لحاظ کیا جاتا ہے اور ہماری تمام رائیں ظاہری حسن و قبح پر ہی ہوا کرتی ہیں اور کسی کا نیک و بد معلوم کرنے کے لئے یہ ایک معیار ہے۔ اسی معیار سے ہم مذاہب کی تفتیش بھی بڑی عمدگی سے کر سکتے ہیں اور سچے اور جھوٹے مذہب میں بھی اس سے تمیز ہو سکتی ہے۔

وہ اس طرح پر کہ مذاہب میں بعض خوبیاں باطنی ہوتی ہیں بعض ظاہری، بعض دنیوی ہوتی ہیں بعض اخروی۔ باطنی خوبیاں تب معلوم ہوتی ہیں جبکہ کوئی شخص اس مذہب میں داخل ہو اور اس کے احکام پر چل کر ان باطنی خوبیوں اور فوائد سے متمتع ہو اور اخروی خوبیاں تب منکشف ہوں گی جب اس دارِ فانی سے منتقل ہو کر ہم دارِ آخرت میں پہنچیں گے۔

ان دونوں قسم کی خوبیوں کا دعویدار ہر مذہب ہے اور ہر مذہب کے پیرو کہتے ہیں کہ ہمارے مذہب میں داخل ہو جاؤ اور ہماری تعلیم پر عمل کرو تو بہت سے فوائد حاصل ہوں گے اور بہت سی روحانی ترقیات تمہیں نصیب ہوں گی اور دارِ آخرت میں تم نجات یافتہ ہو گے اور نعماء جنت سے متمتع ہو گے مگر ہم ان کو کہیں گے کہ تمہارے مذہب کا یہ باطنی پہلو ہے اور اس بات کا ہر شخص دعویٰ کر سکتا ہے ہمیں تم وہ خوبیاں

دکھاؤ جو باطنی نہ ہوں اور تمہارے مذہب میں داخل ہونے سے ہی معلوم نہ ہو سکتی ہوں بلکہ ظاہری ہوں جنہیں ہر شخص دیکھ سکے۔ اور اخروی نہ ہوں کہ قیامت میں ہی معلوم ہوں بلکہ دنیوی ہوں یعنی اسی دنیا میں ہم ان کا مشاہدہ کر سکیں۔ سو جب اہل مذاہب کے سامنے یہ معیار پیش کرتے ہیں تو اسلام کے سوا کوئی مذہب بھی اس معیار پر پرکھا جا کر سچا ثابت نہیں ہو سکتا اور سوائے اسلام ایک مذہب کے کوئی اور مذہب اپنے اندر ایسی ظاہری اور دنیوی خوبیاں نہیں رکھتا جن کی وجہ سے انہیں سچا کہنے پر مجبور ہوں۔ ہمارے سامنے اس وقت آریہ مذہب، عیسویت اور اسلام یہ تین بڑے مذہب اس ملک میں پائے جاتے ہیں۔ پہلے آریہ مذہب کو لو' ان کی مذہبی کتاب وید ہے اس نے اپنے متبعین سے بہت وعدے کئے اور بشارت دی کہ میرا اتباع کرو تو تم روحانی ترقی کرو گے' خدا کے مقبول ہو جاؤ گے' اس کے منظورِ نظر بن جاؤ گے اور دوسرے جنم میں تمہیں سکھ حاصل ہوں گے مگر وید کے یہ سب وعدے اور یہ تمام بشارتیں اپنے اندر صرف باطنی اور اُخروی رنگ رکھتی ہیں۔ ہم کس طرح یقین رکھیں کہ واقعہ میں یہ انعامات ہمیں حاصل بھی ہونے والے ہیں۔ اسلئے ضروری ہے کہ وید اپنے متبعین کے لئے دنیوی کامیابی اور ظاہری ترقی کی بشارت بھی دے اور پھر وہ پوری بھی ہو تو ہم کو اطمینان حاصل ہو کہ اس کی ایک بات پوری ہوئی تو امید ہے کہ دوسری بات بھی ضرور پوری ہوگی لیکن جہاں تک تاریخ پتہ دیتی ہے کوئی ایک نمونہ بھی اس بات کا نہیں ملتا کہ وید کے متبعین نے وید کی تعلیم پر عمل کر کے علاوہ روحانی ترقیوں کے ظاہری ترقی کبھی کی ہو اور باطنی بشارتوں کے علاوہ کبھی اس کی ظاہری بشارتیں بھی ظہور پذیر ہوئی ہوں اور اُخروی وعدوں سے قطع نظر کبھی دنیوی وعدے اپنے وقت پر پورے ہوئے ہوں اور وید کی تعلیم پر عمل کر کے کوئی قوم پستی سے عروج کی طرف اور ذلت سے عزت کی طرف ترقی کر گئی ہو یا وید نے کسی قوم کی بگڑی ہوئی حالت سنوار دی ہو اور بداخلاقیوں کو اعلیٰ اخلاق کی شکل میں تبدیل کر دیا ہو اور کسی قوم کے جمود کو دور کر کے زندگی کی حرکت ان میں پیدا کی ہو کوئی ایک نمونہ اور کوئی ایک مثال بھی آریہ صاحبان یقینی طور پر پیش نہیں کر سکتے۔ وید کے ماننے والوں سے ہم پوچھتے ہیں کہ بیشک وید نے اگلے جنم کے متعلق تم کو بہت بشارتیں دیں مگر تم کس طرح یقین کر سکتے ہو کہ وہ ضرور پوری ہونگی جب تک کہ تم اس کی بشارتوں کو دنیا میں پورا ہوتے نہیں دیکھتے۔ اور وید نے روحانی ترقیوں کا ہزار بار وعدہ کیا مگر تمہیں اس کے وقوع پذیر ہونے پر کس طرح اطمینان ہے جب تک کہ تم اس کی ظاہری ترقی کا کوئی نمونہ مشاہدہ نہیں کرتے۔ اس نے کس قوم کے اخلاق سنوارے؟ کس قوم کی بدیاں دور کیں؟ کس قوم کی پستی کو عروج سے تبدیل کیا؟ جب نہ اس کے اُخروی وعدوں کا نمونہ دنیوی وعدوں کے رنگ میں ہے اور نہ روحانی ترقیوں کی مثال اس کی ظاہری ترقی کی شکل

میں ہے تو تم وید کی اتباع کس طرح کر سکتے ہو۔ غرض وید تو اس معیار سے بالکل الٰہی کتاب اور منجانب اللہ ثابت نہیں ہو سکتا۔ اب رہی عیسویت اس کی الہامی کتاب انجیل اور اس کا بانی مسیحؑ ہے۔ انجیل بھی اُخروی بشارتوں سے لبریز اور روحانی ترقی کے وعدوں سے بھری پڑی ہے مگر ہم اطمینان اس صورت میں حاصل کر سکتے ہیں کہ اُخروی وعدوں کیلئے دنیوی وعدے بطور شاہد ہوں اور باطنی ترقیات کے لئے ظاہری ترقیاں بطور گواہ۔ مگر عیسوی مذہب بھی ان دونوں باتوں سے عاری ہے نہ تو اس کی دنیوی بشارتیں جلوہ گر ہوئیں کہ ہم ان پر قیاس کر کے اس کی اُخروی بشارتوں پر ایمان لاویں۔ کوئی عیسائی ایک بھی عظیم الشان بشارت پیش نہیں کر سکتا۔ ہاں ایسے نمونے بے شک پائے جاتے ہیں کہ بشارت دی گئی اور وہ پوری نہ ہوئی جیسا کہ مسیح نے اپنے بارہ حواریوں کو کہا کہ تم بارہ کے بارہ میری آمد ثانی میں میرے ساتھ بارہ تختوں پر ہو گے مگر اس بشارت کا عجیب حشر ہوا کہ تھوڑے دنوں بعد ان بارہ میں سے ایک مرتد ہو گیا اور تیس روپے کے بدلہ مسیح جیسے شفیق استاد کو یہودیوں کے ہاتھ پکڑوا دیا اور پھر خودکشی کر لی اور اس طرح پر اس نے وہ موعودہ تخت خالی کر دیا۔ یہ ہے عیسوی بشارت کا انجام۔ اب اس بشارت کو دیکھ کر کون شخص اسکے اُخروی وعدوں پر یقین کر سکتا ہے۔ پھر اپنے متبعین کو کہا کہ روحانی سلطنت اور اُخروی حکومت کے تم وارث ہو۔ اس کے ثبوت میں مسیح نے حواریوں سے وعدہ کیا کہ تمہاری اُخروی حکومت کی یہ علامت ہے کہ تم ظاہری حکومت حاصل کر لو گے اور اس وعدہ پر مسیح کو یہاں تک ایمان تھا کہ حواریوں کو فرمایا کہ کپڑے بیچ کر تلواریں مول لے لو۔ مگر جاننے والے جانتے ہیں اور تاریخ کی کتابیں شاہد ہیں کہ یہ وعدہ محض خام خیالی تھا۔ نہ مسیح کو حکومت ملی اور نہ اس کے حواری صاحب حکومت ہوئے اور ایک شخص بھی جو مسیح پر ایمان لایا اور اس کے متبعین میں شامل ہوا اور مسیح کے مُنہ سے یہ بشارت سُنی کبھی تخت حکومت پر متمکن نہ ہوا۔ اس سے ہم نتیجہ نکالتے ہیں کہ جس شخص کے وعدوں اور بشارتوں کا یہ حال ہے اس کے کہنے سے ہم اُخروی کامیابی پر کس طرح یقین کر سکتے ہیں؟

پھر ہم دیکھتے ہیں کہ مسیح نے روحانی ترقیات کا وعدہ کیا مگر ہم کوئی نمونہ ترقی کا نہیں دیکھتے۔ کوئی عیسائی ثابت نہیں کر سکتا کہ فلاں بگڑی ہوئی قوم کو مسیح نے درست کیا اور فلاں مُلک میں بے نظیر تبدیلی پیدا کی اور فلاں زمانہ میں ہزاروں آدمی اس کی صحبت سے اخلاق و عادات میں اعلیٰ پایہ پر جا پہنچے بلکہ یہ تو بڑی بات ہے عیسائی صاحبان زیادہ سے زیادہ یہی کہہ سکتے ہیں کہ مسیح نے بارہ حواریوں کی اصلاح کی اور بس۔ مگر میں کہوں گا کہ حواریوں کی بھی اصلاح میں مسیح کامیاب نہیں رہا۔ یہودا اسکریوطی بھی آخر حواری تھا لیکن کیا وہ بھی اصلاح یافتہ تھا؟ پھر پطرس صاحب بھی حواری تھے جن کو مسیح کے مُنہ سے

شیطان کا خطاب ملا تھا اور جنہوں نے تین بار جان کے خوف سے مسیح کا انکار کیا تھا۔ پھر باقی دو حواری ہی تھے جو آڑے وقت میں مسیح کے پاس ٹھہر بھی نہ سکے اور صلیب کے موقعہ پر تتر بتر ہو گئے۔ غرض ہم تسلیم کرتے ہیں کہ مسیح اور انجیل نے روحانی ترقیات کا بے شک وعدہ کیا مگر ہم اس وعدہ کو کس طرح تسلیم کریں جبکہ ہم اس کا کوئی نمونہ مسیح کی زندگی میں اور اس کی اصلاح میں نہیں دیکھتے۔ اس کے بعد اسلام کی باری آتی ہے۔ اسلام نے بھی اپنے متبعین سے اُخروی کامیابی کے وعدے کئے ہیں۔ مگر کیا صرف اُخروی ہی؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ اس نے اس کے ثبوت میں بیسیوں دنیوی وعدے بھی کئے اور وہ پُورے ہوئے۔ سینکڑوں بشارتیں دیں اور وہ اپنے وقت پر ظہور پذیر ہوئیں اور اس طرح ان پورے ہونے والے وعدوں اور وقوع پذیر ہونے والی بشارتوں نے ثابت کر دیا کہ جس طرح حضرت محمد رسول اللہ صلعم کے وعدے اور بشارتیں اِس دنیا میں پوری ہوئیں۔ اسی طرح اُخروی وعدے اور عقبےٰ کی بشارتیں بھی بعینہٖ اپنے وقت پر پُوری ہوں گی۔ دیکھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کو بشارت دی کہ تم قیامت کے دن اپنے منکروں پر غالب ہو گے اور اس جہان میں خدا تعالیٰ تم کو تمہارے دشمنوں پر فوقیت دیگا۔ اور اس کا یہ ثبوت ہے کہ اس دنیا میں تم باوجود تھوڑی تعداد میں ہونے کے اور باوجود ظاہری بے سروسامانی کے پھر تم اپنے دشمنوں پر غالب ہو گے اور خدا تعالیٰ اِس ورلی زندگی میں تم کو تمہارے حریفوں پر فوقیت دیگا۔ پھر جاننے والے جانتے ہیں کہ بدر، اُحد، حنین اور فتح مکہ نے کس طرح کھلے کھلے طور پر اُن وعدوں کی تصدیق کی اور واقعہ میں ثابت کر دیا کہ محمد رسول اللہ صلعم کی اُخروی بشارت بھی ضرور پُوری ہو کر رہے گی جیسا کہ آپؐ کی دنیاوی بشارت باوجود ہزاروں مخالفتوں کے حرف بحرف پُوری ہوئی۔ پھر رسول کریمؐ نے فرمایا کہ تمہاری روحانی حالت تمام لوگوں کی روحانی حالت سے بڑھ چڑھ کر ہے اور اس کا یہ ثبوت کہ تم میری تعلیم پر عمل کر کے طاقت اور قوت میں سب سے بڑھ جاؤ گے اور تمہارا یہ بڑھ جانا دلالت کرے گا کہ تم روحانی طور پر بھی سب سے بڑھے ہوئے ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس وعدے کا ظہور حضرت عمرؓ کے ہاتھوں قیصر و کسریٰ جیسے زبردست قہار بادشاہوں کی شکست اور اُن کے خزائن اور مقبوضات مسلمانوں کے ہاتھ میں آنے کے رنگ میں پُورا ہوا اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی کے مطابق صحابہؓ کا بے نظیر طور پر بڑی بڑی قوموں اور زبردست سے زبردست سلطنتوں پر غلبہ حاصل کر لینا ثبوت ہے اِس بات کا کہ جو پیشگوئی مسلمانوں کے اُخروی غلبہ کے متعلق رسول کریمؐ نے فرمائی ہے وہ بعینہٖ پوری ہوگی۔ پھر دوسرے پہلو کو لو، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے دعویٰ کیا کہ میری تعلیم پر چل کر تم روحانی ترقیات کرو گے۔ یہ ایک دعویٰ

ہے اور جب تک کوئی اس کی دلیل نہ ہو کبھی کوئی شخص اسے تسلیم نہیں کر سکتا اس لئے ہم اس دعوے کے ثبوت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس بے نظیر تبدیلی کو پیش کرتے ہیں جو آپؐ نے مبعوث ہو کر عرب میں کی۔ وہ گرے ہوئے تھے انہیں ان کے قدموں پر کھڑا کیا۔ وہ جاہل تھے انہیں عالم بنا دیا۔ وہ پست ہمت تھے اُن میں بلند پروازی کی روح پھونک دی۔ وہ کسی قوم کے شاگرد ہونے کے قابل بھی نہ تھے انہیں تمام دُنیا کا استاد بنا دیا۔ شراب اُن سے چھڑائی۔ جُوئے کی علت اُن سے دُور کی۔ لوٹ مار اور غارت گری سے انہیں باز رکھا۔ لڑکیاں زندہ گاڑنے کی قطعاً ممانعت کر دی گئی۔ جب آپؐ ان میں مبعوث ہوئے تو کوئی عیب نہ تھا جو اُن میں موجود نہ ہو مگر آپؐ کی وفات نہیں ہوئی جب تک کہ آپؐ نے انہیں ایسا نہ کر دیا کہ کوئی عیب نہ تھا جو اُن میں پایا جاتا ہو اور کوئی خوبی نہ تھی جس سے وہ متصف نہ ہوں۔ غرض آپؐ نے ایسی بے نظیر تبدیلی پیدا کی کہ گویا مُردوں کو زندہ کیا۔ اور پھر مُردے بھی وہ جو صدیوں کے مرکھپ کر گل سڑ گئے ہوں۔ پھر ایک دو نہیں بلکہ ہزاروں لاکھوں۔ پس رسول کریمؐ کی اس بے نظیر تبدیلی اور اس ترقی کو دیکھ کر ہم کو اطمینان ہو جاتا ہے کہ وہ روحانی ترقی بھی جس کا رسول کریمؐ ہم سے وعدہ کرتے ہیں وہ ضرور ہم کو حاصل ہو گی۔ کیونکہ ایک بے نظیر روحانی ترقی کا ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود اور صحابہؓ بلکہ کُل عرب میں مشاہدہ کرتے ہیں۔ غرض اسلام کی یہ خصوصیت ہے۔ جو ثابت کرتی ہے کہ وہ کامل مذہب ہے۔ ظاہری اور باطنی، دنیوی اور اُخروی ہر قسم کی خوبیوں کا مجموعہ ہے۔ مگر اور مذاہب صرف اُخری وعدوں اور باطنی نشانوں تک محدود ہیں اور کوئی نمونہ اپنی صداقت کا پیش نہیں کرتے۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ؏

تثلیث کا لطیفہ

پادری!! خدا تین ہیں باپ، بیٹا، روح القدس۔

ایک!! نہیں جناب دو۔ کیونکہ بیٹا تو مارا گیا باقی روح القدس اور باپ ہی رہ گئے۔

دوسرا!! نہیں جناب ایک ہی ہے کیونکہ روح القدس کبوتر کی شکل میں بیٹے میں اُترا اور بیٹا مارا گیا گویا بیٹا اور روح القدس مارے گئے۔ باقی ایک باپ ہی رہا۔

تیسرا! نہیں صاحب۔ تثلیث مان کر ایک بھی نہیں رہتا اس لئے کہ باپ، بیٹا، روح القدس، متحد فی الذات مانے گئے ہیں۔ جب بیٹا مارا گیا تو سب ہی کا کام تمام ہوا۔

(الحکم ۱۰؍اپریل ۱۹۰۱ء صـ۱۱)

ایک تحقیقی مقالہ

تحریفِ بائبل کی تاریخ

(محترم سیّد محمود احمد صاحب ناصر پروفیسر جامعہ احمدیہ)

{ ذیل کا تحقیقی مقالہ مجلس ارشاد مرکزیہ کے اجلاس منعقدہ ۲۷ر اپریل ۶۸ء میں پڑھا گیا۔ اس اجلاس کی صدارت سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ بنصرہ نے فرمائی تھی ——— (ایڈیٹر) }

تعارفی باتیں

عاجز کو تحریفِ بائبل کی تاریخ کے متعلق کچھ کہنے کا ارشاد ہوا ہے۔ اِس موضوع پر کچھ عرض کرنے سے پہلے بائبل کی کتب کے زمانہ، مصنفین، زبان اور ان کو کتب مقدسہ قرار دئے جانے کے متعلق کچھ تعارفی باتیں پیش کرنا موضوع کی وضاحت کے لئے ضروری ہے۔

یونانی زبان میں لفظ βιβλιον کے معنے کتاب کے ہوتے ہیں جس کی جمع βιβλια ہے اور یورپین زبانوں میں اِس لفظ سے مشتق لفظ بائبل اُس کتاب یا کتب کے مجموعہ پر بولا جاتا ہے جو مسیحیوں کی مقدس کتب کی حیثیت رکھتی ہیں۔

بائبل دو بڑے حصّوں میں منقسم ہے۔ ایک جس کو مسیحی پُرانا عہد نامہ کہتے ہیں اور دوسرا نیا عہد نامہ۔ مسیحی جس حصّے کو پُرانا عہد نامہ کہتے ہیں اس کو یہودی اپنی کتابِ مقدس قرار دیتے ہیں۔

پُرانا عہد نامہ تین بڑے حصّوں میں بٹا ہوا ہے۔ ایک حصّہ تورہ کہلاتا ہے جو پہلی پانچ کتب پیدائش، خروج، احبار، گنتی اور استثناء پر مشتمل ہے۔ دوسرا حصّہ نابیئم یا انبیاء کہلاتا ہے جو سابق انبیاء یشوع، قضاۃ، سموئیل وسلاطین اور موخر انبیاء یعنی یسعیاہ، یرمیاہ، حزقیل اور ہوسیع تا ملاکی ۱۲ انبیاء صغار کی کتب پر مشتمل ہے۔

تیسرا حصّہ کتوبیم یعنی تحریرات جو زبور، امثال، ایوب، روت، غزل الغزلات، نوحہ، واعظ، آستر، دانیال اور عزرا، نحمیاہ پر مشتمل ہے۔

پُرانا عہد نامہ عبرانی زبان میں ہے البتہ دو تین جگہ بعض عبارتیں آرامی زبان میں ہیں۔

پُرانے عہد نامہ کی کسی کتاب کے متعلق بھی وثوق سے نہیں کہا جا سکتا کہ کس نے لکھی اور کس زمانہ میں لکھی گئی۔ تورہ روایتاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تصنیف ہے مگر خود اس کے مضمون سے واضح ہے کہ یہ کتب آپ کے زمانہ دُور از بعد لکھی گئیں۔ موجودہ محققین کا اندازہ ہے کہ اس حصہ کی تکمیل اُس وقت ہوئی جب یہود بابل کی جلا وطنی سے چھٹی صدی قبل مسیح میں واپس آئے۔ نابیئیم میں بعض کتب تو کسی مصنف کی طرف منسوب ہی نہیں مثلاً قضاۃ اور سلاطین کی کتب۔ مگر جو کتب جن انبیاء کی طرف منسوب ہیں وہ بھی اُن کی تصنیف نہیں مثلاً یوشع کی کتاب میں اُن کی وفات کا ذکر ہے اور یسعیاہ کی کتاب میں خورس کا ذکر ہے جو اُن سے ڈیڑھ سو سال بعد ہوئے تھے۔ نابیئیم کی تحریر کی تکمیل موجودہ اندازہ کے مطابق تیسری صدی قبل مسیح کے اختتام پر ہوئی۔

تیسرے حصہ یعنی کتوبیم کے مصنفین اور زمانہ کے متعلق قطعیت سے کچھ کہنا مشکل ہے معلوم ہوتا ہے کہ مسیح علیہ السلام کے زمانہ میں یہ تینوں حصے تکمیل پا چکے تھے۔

پُرانے عہد نامہ کے یہ تینوں حصے تصنیف کے ساتھ ہی کتاب مقدس قرار نہیں دئے گئے بلکہ بتدریج پہلے تورہ پھر نابیئیم اور پھر کتوبیم کو کتاب مقدس کا حصہ قرار دیا گیا اور اس بارہ میں یہود میں کافی اختلاف ہے چنانچہ طالمود سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیح علیہ السلام کے زمانہ میں بھی یہودی فقیہہ ہلل کے مکتب کے لوگ واعظ کی کتاب کو کتاب مقدس کا حصہ سمجھتے تھے اور اور شمائی فقیہہ کے پیرو اس کے منکر تھے۔ اس بات کا آخری قطعی فیصلہ کہ کونسی کتب کتب مقدسہ ہیں۔ موجودہ تل ابیب کے قریب جامینہ مقام میں منعقد ہونے والی کونسل میں ہوا۔ یہ کونسل پہلی صدی مسیحی کے آخر میں ربی عقیبہ کی نگرانی میں ہوئی۔ اس کونسل میں بھی بعض لوگوں کو غزل الغزلات اور واعظ کے تقدس پر شبہ تھا۔

نیا عہد نامہ مسیح کے حالات زندگی پر مشتمل چار اناجیل، واقعہ صلیب کے بعد حواریوں کی سرگرمیوں کے بیان کے متعلق اعمال کی کتاب، پولوس کے تیرہ خطوط، حضرت مسیح کے بھائی کا ایک خط اور چند دیگر خطوط اور کشوف کی ایک کتاب پر مشتمل ہے۔

نئے عہد نامہ کی زبان کے متعلق عالم مسیحیت تین حصوں میں بٹا ہوا ہے۔ مشرقی آرتھوڈاکس کلیسیا جس میں روس، یونان، ترکی اور عرب ممالک کے عیسائی شامل ہیں اِس بات کا مدعی ہے کہ سارا نیا عہد نامہ آرامی زبان میں لکھا گیا اور یونانی ترجموں کا ترجمہ ہم تک پہنچا ہے۔ رومن کیتھولک کلیسیا کا عقیدہ ہے کہ سوائے متی کی انجیل کے تمام نیا عہد نامہ یونانی میں لکھا گیا۔ متی کی انجیل اصلاً عبرانی میں لکھی گئی اور اب ہم تک یونانی ترجمہ میں پہنچی ہے۔ پراٹسٹنٹ عیسائی بالعموم یہ خیال رکھتے ہیں کہ سارا نیا عہد نامہ یونانی میں لکھا گیا۔ موجودہ زمانہ کے محققین کی غالب اکثریت بھی یہی خیال رکھتی ہے مگر بعض پراٹسٹنٹ عیسائی اور بعض محقق یہ رائے بھی رکھتے ہیں کہ ممکن ہے کہ اصلاً یہ تمام

کتب عبرانی میں ہی لکھی گئی ہوں۔

نئے عہد نامہ کی کتب مختلف اوقات میں لکھی گئیں۔ پولوس کے خطوط ۵۰ء سے ۶۰ء کے درمیان اور اناجیل اور دیگر خطوط ۶۰ء سے ۱۰۰ء کے درمیان لکھے گئے۔

دوسری صدی کے عیسیوں میں یہ خیال پیدا ہوا کہ پرانے عہد نامہ سے زائد ان کی کچھ کتب مقدس ہوں اور دو سو سال بڑے بحث و مباحثہ، اختلاف رائے اور تحقیق وغیرہ کے بعد چوتھی صدی میں یہ فیصلہ ہوا کہ نئے عہد نامہ میں کونسی کتب بطور مقدس صحائف کے شامل ہیں۔

نئے عہد نامہ کے مصنفین کے متعلق جو روایاتی خیالات تھے، وہ موجودہ تحقیق سے غلط ثابت ہو رہے ہیں چار اناجیل میں سے صرف دو اناجیل حواریوں کی طرف منسوب کی جاتی تھیں مگر موجودہ محققین نے بڑی قطعیت کے ساتھ یہ فتویٰ دیا ہے کہ یہ دونو اناجیل حواریوں کی تصنیف ہو سکتی ہیں نہ کسی اور عینی شاہد کی پطرس کے دوسرے خط کے متعلق وثوق سے کہا جاتا ہے کہ کسی شخص نے پطرس کی وفات کے بعد لکھ کر پطرس کی طرف منسوب کیا۔

بائیبل کی تحریف کا خاکہ

اس تعارفی خاکہ سے ظاہر ہے کہ جن معنوں میں تاریخ کا لفظ عموماً بولا جاتا ہے ان میں تحریف بائیبل لکھنا قریباً ناممکن ہے۔ یہود و نصاریٰ محققین کو بائیبل میں تحریف بدیہی صداقت کے طور پر مسلّم ہے۔ مگر ابھی جس کتاب کی زبان، زمانہ تحریر، مصنفین اور کتاب مقدس قرار دیئے جانے کے متعلق کچھ قطعیت سے نہ کہا جا سکتا ہو اس کی تحریف کی صحیح رنگ میں تاریخ لکھنا قبل از وقت ہے۔ بہرحال عاجز پرانے اور نئے عہد نامہ کی تحریف کا ایک خاکہ پیش کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

پرانا عہد نامہ

اس بات کے کافی مضبوط قرائن موجود ہیں کہ پرانے عہد نامہ کی کتب میں مسیح علیہ السلام کے ظہور سے قبل کافی تحریف راہ پا چکی تھی۔ یہود پرانے عہد نامہ کے جس متن کو تسلیم کرتے ہیں وہ مسوراتی متن کہلاتا ہے۔ یہ لفظ عبرانی لفظ مسورہ سے ماخوذ ہے جس کے معنی روایت کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ یہی متن شائع اور متعارف ہے اور آج سے چند سال قبل تک پرانے جتنے بھی قدیم مسودات ملتے تھے وہ سب اسی متن پر مشتمل تھے۔ مگر محققین بائیبل اس وثوق پر قائم تھے کہ گو یہ قدیم سے قدیم نسخے اسی متن کے ملتے ہیں مگر یہ متن مسیح علیہ السلام کے زمانہ کے لگ بھگ ایک لمبے عرصہ میں بتدریج متعین کر کے تسلیم کر لیا گیا ورنہ ان کتابوں کے ایسے متعدد متن موجود تھے جو مسوراتی متن سے سینکڑوں اختلافات رکھتے تھے۔ یہود نے مسوراتی متن کو اختیار کر لیا اور باقی سب نسخے جو اس سے مختلف تھے بڑے منظم طریق سے تلف کر دیئے۔ اس بات کا ایک اہم قرینہ کہ مسیح علیہ السلام سے قبل پرانے عہد نامہ کے مختلف نسخے موجود تھے یہ ہے کہ مسیح علیہ السلام سے ۲ سو سال قبل مصر میں سکندر کے جانشین ٹالمی خاندان کے عہد میں

پرانے عہد نامہ کا ایک یونانی ترجمہ ان یہود کے لئے کیا گیا جو یونانیوں کے زیر اثر یونانی بولنے لگے تھے۔ یہ ترجمہ ستّر مترجمین کی مناسبت سے سپٹوجنٹ اور اردو میں سبعینیہ کہلاتا ہے۔ یہ ترجمہ مسوراتی متن سے اتنے اور اس نوعیت کے اختلافات رکھتا تھا جس کو محض ترجمہ کا اختلاف قرار نہیں دیا جا سکتا۔

دوسرا اہم قرینہ سامری فرقہ کی الگ تورات کی صورت میں ہے۔ سامری فرقہ عام یہود سے مسیح سے چند سو سال قبل الگ ہوا اور یہودی اس فرقہ سے الگ رہتے تھے۔ خود مسیح علیہ السلام نے اپنے حواریوں کو تبلیغی سفر پر بھیجتے ہوئے ان کو سامریوں کے شہر میں داخل ہونے سے منع کیا تھا۔ اس فرقہ کے قریباً دو سَو افراد اب بھی فلسطین میں نابلس کے شہر کے اردگرد آباد ہیں۔ وہ پرانے عہد نامہ کے صرف اس حصہ کو کتاب مقدس قرار دیتے ہیں جو تورات کہلاتا ہے۔ یہ فرقہ اپنے پاس اس تورات کا قدیم ترین نسخہ رکھنے کا مدعی ہے اور استاذی المکرم مولانا ابوالعطاء صاحب کو بھی سفر فلسطین میں اس نسخہ کو دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ یہ نسخہ مسوراتی متن سے متعدد جگہ مختلف ہے اور بعض جگہ زیادہ صحیح اور بہتر مفہوم پیش کرتا ہے۔

الغرض ۱۹۴۸ء سے قبل تک ایسے قرائن موجود تھے کہ پرانے عہد نامہ کی کتب میں تحریر کے بعد اور مسوراتی متن کو مستند متن تسلیم کرنے سے پہلے تحریف راہ پا چکی تھی اور ان کتب کے کئی متن رائج ہو چکے تھے مگر مسوراتی متن کو مسلّمہ متن مان کر باقی نسخوں کو تلف کرنے کا کام اتنے مکمل طور پر کیا گیا تھا کہ ۱۹۳۳ء میں برٹش میوزیم کے ڈائریکٹر سر فریڈرک کینن یہ لکھنے پر مجبور ہوئے کہ معلوم ہوتا ہے کہ علمی دنیا اب ہمیشہ کے لئے ایسے عبرانی متنوں سے محروم ہو گئی ہے جو مسوراتی متن سے مختلف تھے۔

مگر ۱۹۴۸ء میں صحائف قمران دنیا کے سامنے آئے اور اس وادی کے غاروں سے جو صحائف نکلے وہ جزواً ان مختلف متنوں پر مشتمل تھے۔ صحائف قمرانی پرانے عہد نامہ کے مسودات کہیں مسوراتی متن کی تائید کرتے ہیں، کہیں سبعینیہ کی، کہیں سامری متن کی اور کہیں ایسی قرأت پیش کرتے ہیں جو ان تینوں سے مختلف ہیں اور مفہوم کے لحاظ سے بہتر ہیں۔ جس طرح آج سے چند سال قبل ہوائی رفتار میں حدِ آواز کو توڑنے کا معرکہ سر کیا گیا تھا اس مماثلت کی بنا پر قمرانی انکشافات مسوراتی حد کو توڑنا کہلاتا ہے۔ ستمبر ۱۹۶۶ء میں افغانستان سے بعض مسودات کا انکشاف ہوا ہے جس میں پرانے عہد نامہ کے اقتباسات مسوراتی متن سے مختلف ہیں۔ اس انکشاف سے ایک بہت بڑا فائدہ ہمیں یہ حاصل ہوا ہے کہ اس سے یہ ثابت ہو گیا ہے کہ افغانستان میں یہودی قبائل مسیح علیہ السلام سے قبل آئے تھے۔ اسی وجہ سے مسوراتی متن سے مختلف متن ان کے پاس تھے ورنہ اس سے پہلے بعض کہنے والے کہہ دیتے تھے کہ افغانستان میں یہودی قبائل کی آمد مسیح علیہ السلام سے کافی دیر

بعد ہوئی۔

نئے عہد نامہ کے مسودات کی اقسام

نئے عہد نامہ کے قدیم

مسودات مکمل یا نامکمل صورت میں قدیم سے موجود ہیں اور ان کے بے شمار باہمی اختلافات اُن میں تحریف کے شاہد ہیں۔ اِس تحریف کی وضاحت کے لئے نئے عہد نامہ کے مسودات کا مختصر تعارف ضروری ہے۔ آج کل نیا عہد نامہ جن مسودات سے مرتب کیا جاتا ہے ان کو موٹے طور پر پانچ جماعتوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:-

اوّل۔ چوتھی صدی سے دسویں صدی مسیحی کے درمیان لکھے جانے والے مسودات۔ جو یونانی زبان میں ہیں۔ یہ مسودات بڑے یونانی حروف میں مرقوم ہیں اس لئے uncials کے لقب سے معروف ہیں۔

ان مسودات میں سے اہم ترین یہ ہیں:-

(۱) مسودہ الف۔ یہ مسودہ بائیبل کے مشہور عالم ٹشنڈارف نے کوہ طور پر بنی ہوئی مسیحی خانقاہ کیتھرائن نامی سے حاصل کر کے زار روس کو پیش کیا اور روس میں اشتراکی انقلاب کے بعد برطانیہ نے بہت بڑی رقم دیکر حاصل کیا اور اب برٹش میوزیم لنڈن میں ہے (۲) مسودہ B جو کئی سو سال سے ویٹیکن میں پوپ کی لائبریری میں ہے۔ (۳) مسودہ A۔ یہ مسودہ ۱۶۲۱ء میں قسطنطنیہ کے بطریق نے برطانوی سفیر کو شاہ انگلستان کی خدمت میں پیش کرنے کے لئے دیا اور اب برٹش میوزیم میں ہے۔

(۴) مسودہ D۔ یہ دوسرے مسودات سے کافی مختلف اور ایک اہم مسودہ ہے اور اب کیمبرج یونیورسٹی کی لائبریری میں ہے

دوم۔ دوسری جماعت ان مسودات کی ہے جو نویں دسویں صدی عیسوی سے چھاپہ خانہ کی ایجاد تک لکھے گئے اور اس زمانہ میں عالم مسیحیت میں خانقاہوں، گرجوں وغیرہ میں استعمال ہوتے تھے۔ یہ پہلی جماعت کے مقابل رواں ہاتھ سے چھوٹے یونانی حروف میں مرقوم ہیں لہذا minuscules کہلاتے ہیں۔

سوم۔ تیسری جماعت چوتھی صدی عیسوی سے قبل مسودات کی ہے۔ اس زمانہ کے کوئی مکمل مسودات تو موجود نہیں البتہ مسودات کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے ہیں جو پیپائرس پر تحریر ہیں۔ پیپائرس دریائے نیل کے کنارے اُگنے والے ایک پودے کا نام ہے جس سے کاغذ بنایا جاتا تھا۔

چہارم۔ چوتھی جماعت اُن تراجم پر مشتمل ہے جو قدیم زمانہ میں یونانی سے مختلف زبانوں میں کئے گئے۔ موجودہ زمانہ میں نئے عہد نامے مرتب کرنے والے متن کی تعیین کے لئے ان تراجم کو بھی مدنظر رکھتے ہیں۔ اِس ضمن میں اہم تراجم

لاطینی، سریانی اور مصر کی قبطی زبان کی دو شاخوں صعیدی اور بحیری میں ہیں۔ اس کے علاوہ گوتھک آرمینی جیالوجی اور عربی میں بھی پرانے تراجم ملتے ہیں۔

پنجم: مسودات کی پانچویں جماعت نئے عہدنامہ کے ان اقتباسات پر مشتمل ہے جو پرانے مسیحیوں نے اپنی کتابوں اور تحریروں میں درج کئے۔ مشہور عیسائی بزرگوں جیروم طرطولین سپرین افرائیم نے یونانی اور دیگر زبانوں میں نئے عہدنامہ کی جو عبارتیں اپنی تحریرات میں درج کی ہیں ان سے بھی آجکل نئے عہدنامہ کا متن مرتب کرنے میں مدد حاصل کی جاتی ہے۔

نئے عہدنامہ میں تحریف

ان مختلف ادوار کے مسودات کے مطالعہ سے نئے عہدنامہ کی تاریخ کا جو خاکہ سامنے آتا ہے وہ یہ ہے کہ پہلے دور میں نئے عہدنامہ میں تحریف ہوئی اور پھر چھاپہ خانہ کی ایجاد تک ہر دور میں ہوتی چلی گئی۔ ان تمام قدیم وجدید مسودات میں لفظی ومعنوی بے شمار اختلافات ہیں۔ ان اختلافات کی وسعت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ مسودہ الف اور B آپس میں بہت مشابہت رکھنے والے مسودات ہیں اور اس حد تک ان میں تطابق پایا جاتا ہے کہ بائیبل پر تنقیدی مضامین وکتب میں ان کو بالعموم ℵ B کہہ کر اکٹھا ذکر کیا جاتا ہے

اس بناء پر کسی نے یہ خیال پیش کیا کہ ممکن ہے کہ یہ دونو مسودات براہ راست کسی ایک مسودہ کی دو نقول ہوں۔ اس خیال کی صحت کا جائزہ لیتے ہوئے ایک عالم بائیبل ہاسکیئر نے ان دونو مسودات کا تقابلی مطالعہ کیا تو اس کو باقی حصہ چھوڑ کر صرف چاروں اناجیل میں تین ہزار اختلافات نظر آئے۔ دو مشابہ مسودات میں اختلافات کی اس تعداد سے غیر مشابہ مسودات میں اختلافات کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

تحریف کا ایک واضح نمونہ

خاکسار بطور نمونہ ایک تحریف کا ذکر کرتا ہے۔ ہمارے سامنے جو اناجیل ہیں ان میں مرقس کی انجیل کے آخری باب کی آخری آیات ۹ تا ۲۰ میں مسیح علیہ السلام کے صلیب کے بعد قبر سے نکل کر آسمان پر اٹھائے جانے کا واضح ذکر موجود ہے مگر مسودات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیات اصل مرقس میں نہیں تھیں بلکہ الحاقی ہیں۔ مثلاً قدیم و اہم ترین مسودات S B N اور سریانی کے اہم تراجم میں یہ موجود نہیں۔ مسودہ L، مسودہ ۲۴ اور مسودہ نمبر ۵۷۹ میں اس عبارت کی جگہ کوئی اور چھوٹی عبارت ہے اور ایک دسویں صدی کے آرمینی ترجمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیات مرقس کی نہیں بلکہ کسی اور شخص ارسٹن نے لکھی ہیں۔ اسی بناء پر امریکہ کے مسیحیوں کی معروف تفسیر بائیبل انٹرپریٹرز بائیبل میں لکھا ہے:-

"Thus the gospel of Mark closes with out any account of the Resurrection, and of any appearance of risen Jesus."

اسبابِ تحریف تحریف کی تاریخ میں اِس امر کا بیان بھی ضروری ہے کہ تحریف کے اسباب کیا ہیں؟ بائبل میں تحریف دانستہ بھی ہوئی اور نادانستہ بھی مگر وقت کے پیشِ نظر خاکسار ان دو قسم کے متعدد اسباب کی تفصیل میں نہیں جاتا صرف ایک نادانستہ سبب کے ذکر پر کفایت کرتا ہوں۔

ایک مسودہ سے نقل کرتے ہوئے بہت دفعہ اس وجہ سے بھی غلطی ہوتی ہے کہ نقل کرنے والا ایک عبارت کا ایک لفظ یا جملہ جو ایک کاغذ پر ایک سے زائد مرتبہ لکھا ہو مسودہ سے دیکھ کر اپنے کاغذ پر نقل کرتا ہے پھر جب واپس اصل کاغذ پر نظر ڈالتا ہے تو اس لفظ یا جملہ پر اصل جگہ سے ہٹ کر اس کی نظر پڑتی ہے اور وہ اس غلط جگہ سے اپنے کاغذ پر عبارت نقل کرنے لگ جاتا ہے۔ ایسی غلطیاں بائبل میں ہوئی ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف کی حفاظت کے لئے جو سامان فرمائے ان میں ایک سامان یہ بھی تھا کہ حضرت ابوبکرؓ کے عہدِ خلافت کی ابتداء میں حضرت زیدؓ بن ثابت جب اس مسودہ سے نقل کرنے لگے جو ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فداہ نفسی و روحی نے املاء کروایا تھا تو حضرت زیدؓ ہر آیت کو نقل کرنے سے پہلے دو صحابہؓ کی گواہی حاصل کرتے۔ خود حضرت زیدؓ کو بھی قرآن مجید حفظ تھا۔ اس طرح قرآن شریف کی جو پہلی نقل ہوئی اس میں ایک طرف اصل تحریر بھی موجود تھی اور دوسری طرف تین اشخاص کی زبانی گواہی ہر آیت کے درج کرتے وقت موجود ہوتی تھی۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے دشمنانِ اسلام کے لئے اعتراض کی کوئی گنجائش نہیں چھوڑی۔

بالآخر خاکسار حضور کی خدمت میں عرض کرتا ہے کہ جس طرح ہر پہلو سے جماعت کے کام میں وسعت ہو رہی ہے خاکسار کی رائے میں اب یہ وقت بھی آگیا ہے کہ جماعتی لٹریچر میں بائبل کے صرف ان تراجم پر ہی مدار نہ رکھا جائے جو مسیحی کرتے ہیں بلکہ براہِ راست اصل زبانوں کے مسودات سے فائدہ اٹھایا جائے۔ اگر زیادہ نہیں تو کم از کم نئے عہدنامہ کے دس پندرہ مسودات کی نقول ہی ہمارے سامنے ہوں اور ان کے اختلافات کا ہمیں تفصیلی علم ہو تو خدا کے فضل سے بہت کچھ فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔ وباللہ التوفیق۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین ۔

ببیں تفاوتِ رہ از کجا است تا بہ کجا

(جناب امین اللہ خان صاحب سالکؔ)

(۱)

عیسائی ــــــ عہدِ رفتہ

تھا ملائک کا یہ کبھی ہمراز
عرش آگاہ تھی دعا اس کی
اِک خدا ہی کی دل میں چاہت تھی
لِلّٰہِ الْحَمْد تھی نوا اس کی
کہف کی ان مہیب غاروں میں
تھی محبت غذا نما اس کی

(۲)

عیسائی ــــــ عہدِ حاضر

اِدّعا موسوی شریعت کا
لحمِ خنزیر ہے غذا اس کی
مدّعی ہے بڑے تمدّن کا
رقصِ مخلوط ہے حیا اس کی
آخرت کا اسے خیال کہاں
نانِ امروز ہے دُعا اس کی
رنگ بدلا ہے کیا صحائف کا
اِک تحرّف پہ ہے بنا اس کی
درسِ توحید تھا کبھی شیوہ
آج تثلیث ہے ندا اس کی
ہے بہ ظاہر یہ کچھ بہ باطن کچھ
دامِ تزویر ہے ریا اس کی
اس کی رسمِ نیاز کیا کہیئے
ہے بیہودہ سی وفا اس کی
رُوح فرسودہ، وسوسے دل میں
کتنی نزدیک ہے فنا اس کی

"وہ مسیحا بھی ہے یہاں موجود"
جس کے ہاتھوں میں ہے شفا اس کی

"بیسویں صدی کے لوگ مسیح کو خدا ماننے کیلئے تیار نہیں ہیں"

اسلام کی عظیم علمی فتح!

(مکرم جناب شیخ نور احمد صاحب منیر سابق مبلغ بلاد عربیہ)

(۱)

اللہ تعالیٰ نے عیسائیوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا ہے:-

لَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ اِنْتَهُوْا خَيْرًا لَّكُمْ اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ (نساء)

یہ نہ کہو کہ خدا تین ہیں اس قول سے رک جاؤ یہ امر تمہارے لئے خیر و برکت کا باعث ہوگا۔ اللہ صرف ایک ہی معبود ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آپ کی اتباع میں حواری بعض اوقات تمثیلی زبان اور اسلوب اختیار کیا کرتے تھے۔ موجودہ عیسائیت کا اعتقاد ہے کہ خدا تعالیٰ کے تین اقنوم ہیں۔ باپ، بیٹا، روح القدس۔ یہ تینوں الگ الگ کامل خدا ہیں اور یہ تینوں متحد ہو کر بھی ایک خدا کی حیثیت رکھتے ہیں۔ قرآن مجید نے آیت مذکورہ بالا میں عیسائیوں کے اس عقیدہ کی تردید اور اس سے باز آنے کی تلقین فرمائی ہے۔

(۲)

عیسائی حضرات اس عقیدہ کی تائید میں اناجیل سے مندرجہ ذیل آیات پیش کرتے ہیں:

أ - "یسوع مسیح نے کہا۔ میں اور باپ ایک ہیں" (یوحنا ۳۰/۱۰)

ب - "میں باپ میں ہوں اور باپ مجھ میں ہے"

ج - "ابتداء میں کلام تھا اور کلام خدا کے ساتھ تھا۔ شروع میں خدا کے ساتھ تھا۔ سب چیزیں اس کے وسیلے سے پیدا ہوئیں اور بغیر اس کے ایک بھی پیدا نہیں ہوئی" (یوحنا ۱-۳/۱)

د - اور کلام مجسم ہوا اور فضل اور راستی سے بھرپور ہو کے ہم میں سکونت کرتا رہا اور ہم نے اس کا جلال دیکھا۔ ایک جلال جیسے

باپ کے اکلوتے کا۔" (یوحنا ۱/۱۴)

آج کی مروجہ عیسائیت کلام سے مراد مسیح لیتی ہے جو خدا کے ساتھ ابتداء میں تھا اور پھر انسانوں میں مجسم ہو گیا۔

(۳)

عہدنامہ قدیم اور جدید میں متعدد آیات توحید کے عقیدہ کی تائید میں درج ہیں۔ بائیبل میں خدا کا بیٹا بطور محاورہ اور تمثیلی زبان کے استعمال ہوا ہے اور عیسائیوں نے اس کو حقیقت کے طور پر استعمال کرنا شروع کر دیا۔ جس کے نتیجہ میں حضرت مسیح علیہ السلام کو انسانیت سے بالا اور خدائی وجود قرار دے کر پرچار شروع کر دیا۔ بائیبل میں خدا کا بیٹا صرف مسیح کے لئے ہی استعمال نہیں ہوا۔ چنانچہ ملاحظہ ہو:۔

ا۔ "اسرائیل خدا کا بیٹا ہے" (خروج ۴/۲۲)
ب۔ "داؤد خدا کا بڑا بیٹا ہے" (زبور ۸۹/۲۶)
ج۔ "سلیمان خدا کا بیٹا ہے" (تاریخ ۲۲/۱۰)
د۔ "تمام یتیم بچے خدا کے بیٹے ہیں" (زبور ۶۸/۵)
ہ۔ "تم سب إِلٰہ ہو اور حق تعالیٰ کے فرزند" (زبور ۸۲ ۔ ۶)
س۔ "مبارک ہیں وہ جو صلح کراتے ہیں کیونکہ وہ خدا کے بیٹے کہلائیں گے" (متی ۵/۹)

کیا مذکورہ بالا حوالجات اس امر کے بیان کے لئے کافی نہیں ہیں کہ بائیبل کے محاورہ کے مطابق نیک لوگوں کے لئے خدا اور خدا کے بیٹے کہلانے کا اسلوب بیان تھا اور حضرت مسیح نے بھی اسی مفہوم میں اس لفظ کو استعمال کیا تھا کہ خدا تعالیٰ کو آپ سے پیار تھا۔

قرآن کریم نے ابنیتِ خدا کے عقیدہ کو پرزور الفاظ میں رد کیا ہے۔ چنانچہ فرمایا لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ کہ اللہ تعالیٰ کی نہ کوئی اولاد ہے اور نہ وہ کسی کا بیٹا ہے۔

انجیل یوحنا ۱۷ میں لکھا ہے:

"حیاتِ ابدی یہ ہے کہ وہ
تجھ کو اکیلا سچا خدا اور یسوع مسیح
کو جسے تو نے بھیجا ہے جانیں۔"

اس عبارت سے حضرت مسیح علیہ السلام کا حقیقی مقام اور خدا تعالیٰ کی وحدانیت واضح ہو جاتی ہے۔

(۴)

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ مسیح موعود علیہ السلام تحریر فرماتے ہیں:۔

"یاد رکھو کہ جھوٹی خدائی یسوع
کی بہت جلد ختم ہونے والی ہے
وہ دن آتے ہیں کہ عیسائیوں کے
سعادتمند لڑکے سچے خدا کو پہچان
لیں گے اور پرانے بچھڑے ہوئے
وحدہٗ لاشریک کو روتے ہوئے
آملیں گے۔" (سراج منیر صفحہ ۶۶)

چنانچہ یورپ میں کئی سکالرز مذہبیات بھی لکھ رہے ہیں اور یورپ میں ایک تحریک چل رہی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشری زندگی کے حالات اکٹھے کئے جائیں اور ان کو محض ایک انسان کے رنگ میں پیش کیا جائے چنانچہ ایک کتاب (Honest to God) پر امریکی رسالہ ٹائم (Time) ماہ اپریل ۱۹۶۳ء نے یوں تبصرہ کیا:-

"بائیبل میں سے تمام ایسی باتیں جو محض کہاوتوں اور بے بنیاد قصوں کی صورت میں ہیں نکال دینی چاہئیں اور یسوع کی خدائی کا عقیدہ نہایت مبہم ہے۔"

اسی طرح امریکی رسالے نیوز ویک (NEWS WEEK) ۱۱ر اپریل ۱۹۶۶ء میں "اصلی مسیح کی تلاش" (A QUEST FOR THE TRUE JESUS) کے عنوان سے امریکن اور یورپین سکالرز اور اہل علم وقلم کے افکار وآراء کو درج کیا گیا ہے اور ان کی رائے ہے کہ موجودہ ترقی یافتہ دور میں الوہیتِ مسیح کے روایتی عقیدہ کو تسلیم نہیں کیا جا سکتا کہ:-

"خدا کا گوشت پوست کا روپ دھار کر انسان کی شکل میں ظاہر ہونا باایں ہمہ تاریخی واقعات اور مشاہدہ کی کسوٹی پر پرکھنے والا دورِ جدید کا انسان جو سائنس کی گود میں پروان چڑھا ہے اِس چیستان پر دل میں خلش محسوس کئے بغیر نہیں رہتا۔"

۱۹۵۵ء میں ایبرڈین یونیورسٹی کی ایک لیکچرار نے بی۔بی سی ریڈیو سٹیشن سے تقریر نشر کرتے ہوئے کہا:-

"حضرت مسیح واقعی ایک انسان گزرے ہیں جو یہودیوں میں وعظ کیا کرتے تھے لیکن یہ سب ڈھونگ ہے کہ وہ خدا اور کنواری ماں کے بیٹے ہیں" (بحوالہ نوائے وقت لاہور ۲ر جنوری ۱۹۵۵ء)

امریکی مذہبی ادارہ کے پروفیسر ایڈون لوئس نے "اے مینول آف کریسچن بیلیفس) میں لکھا ہے کہ:-

"بیسویں صدی کے لوگ مسیح کو خدا ماننے کے لئے تیار نہیں ہیں"

اسی طرح تین سال پہلے کیمبرج یونیورسٹی کے مذہبی ادارہ نے ایک کتاب "عیسائی عقائد پر انتقادات" (Objections to Christian Belief) مندرجہ ذیل چار پروفیسروں کی طرف سے شائع کی ہے

1- HAMILTON

2- ALTIZER

3- YAN BRUEN

4. VAKANIRN

یہ پروفیسرز اس امر کے حل کرنے میں کوشاں ہیں کہ کیا مسیح ناصری میں الوہیت کے آثار موجود ہیں؟ وہ موجودہ عیسائیت کے عقائد کی چھان بین کرتے ہوئے بعض شاخوں کو کاٹ رہے ہیں۔

—— (۵) ——

قرآن کریم نے بڑی صراحت سے عیسائیوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا ہے:۔

قُلْ یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۭ بَیْنَنَا وَ بَیْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَ لَا نُشْرِكَ بِهٖ شَیْـًٔا وَّ لَا یَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ۝

(آل عمران : ۶۵)

حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ علیہ السلام کس پُرشوکت اور ایمانی جذبہ سے پیشگوئی کے انداز میں فرماتے ہیں:۔

”وہ دن نزدیک آتے ہیں کہ جو سچائی کا آفتاب مغرب کی طرف سے چڑھے گا اور یورپ کو سچے خدا کا پتہ لگے گا۔“

عیسائیوں کے چند تازہ حوالے

—— (۱) ——

ریورنڈ ریحانی کہتے ہیں ؎

مشرق و مغرب کے عیسائی بہت دیکھے مگر
ایک بھی دیکھا نہ ہم نے عاملِ انجیلِ پاک
لیلیٔ معنی کے رُخ سے کس طرح اُٹھے نقاب
ہم سے کوسوں دُور ہے جب محملِ انجیلِ پاک

(رسالہ اخوت لاہور اپریل ۱۹۶۵ء)

اس صراحت کے بعد مزید کسی بات کے کہنے کی ضرورت باقی نہیں۔

—— (۲) ——

عیسائی شاعر بھی عجیب لوگ ہیں یہی ریحانی صاحب کہتے ہیں ؎

آمدِ ثانیٔ عیسٰی تھوڑے دن کی بات ہے
ہوتا جاتا ہے زمانہ قائلِ انجیلِ پاک (٭)

ثانیٔ عیسٰیؑ کی آمد تو اسی طرح ہو چکی ہے جس طرح ثانیٔ ایلیا کی آمد ہوئی تھی مگر آپ خواہ مخواہ ایلیا کے آسمان سے آنے کے منتظر یہود کی طرح انتظار میں بیٹھے ہوئے ہیں۔

—— (۳) ——

پادری عیسیٰ صاحب لکھتے ہیں:۔

”چونکہ انجیل مقدس میں کوئی ایسا بیان مرقوم نہیں ہے جو کہ یسوع مسیح کے بارہ سال کی عمر سے لیکر تیس سال کی عمر تک ظاہر کرے کہ وہ کہاں رہے؟ کیا کرتے تھے؟ (باقی ص۶۲ پر)

جھوٹے مسیح اور جھوٹے نبیوں کی آمد

پادریوں کے ایک اعتراض کا جواب

(محترم جناب گیانی واحد حسین صاحب مربی سلسلہ احمدیہ)

عیسائی کہتے ہیں کہ ہمارے خداوند یسوع مسیح نے ہمیں صاف اور کھلے الفاظ میں جھوٹے مسیح اور جھوٹے نبیوں سے خبردار رہنے کی تاکید فرما دی ہے پادری لڈنال نے ایک رسالہ بعنوان "خاتم النبیین" لکھ کر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ حضرت مسیح ہی آخری نبی ہیں اور لکھا ہے کہ "دنیا کے ایمان کی آزمائش کے لئے مسیح خداوند دوسری آمد تک جھوٹے نبیوں کے لئے میدان خالی چھوڑ گئے"

(متی ۲۴/۱۵، ۲۴/۲۴-۲۵ - رسالہ خاتم النبیین صدا)

جھوٹے نبیوں کی آمد

پیشگوئی میں یروشلم کی تباہی اور ہیکل کے گرائے جانے کا ذکر ہے۔ حضرت مسیح فرماتے ہیں:-

"میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ یہاں کسی پتھر پر پتھر باقی نہ رہے گا جو گرایا نہ جائے گا..... بہتیرے میرے نام سے آئیں گے اور کہیں گے کہ میں مسیح ہوں اور بہت سے لوگوں کو گمراہ کریں گے۔ اور تم لڑائیوں اور لڑائیوں کی افواہ سنوگے...

قوم پر قوم اور بادشاہت پر بادشاہت چڑھائی کرے گی اور جگہ جگہ کال پڑیں گے اور بھونچال آئیں گے ....اور بہت سے جھوٹے نبی اٹھ کھڑے ہوں گے اور بہتیروں کو گمراہ کریں گے پس جب تم اجاڑنے والی مکروہ چیز کو جس کا ذکر دانیال نبی کی معرفت ہوا مقدس مقام میں کھڑا ہوا دیکھو (پڑھنے والا سمجھ لے)

تو جو یہودیہ میں ہوں وہ پہاڑوں پر بھاگ جائیں۔ جو کوٹھے پر ہوں وہ اپنے گھر کا اسباب لینے کو نیچے نہ اتریں۔ اور جو کھیت میں ہو وہ اپنا کپڑا لینے کو پیچھے نہ لوٹے....

اس وقت اگر کوئی تم سے کہے کہ دیکھو مسیح یہاں ہے یا وہاں ہے

"تو یقین نہ کرنا کیونکہ جھوٹے مسیح
اور جھوٹے نبی اُٹھ کھڑے ہونگے۔
اور ایسے بڑے نشان اور عجیب کام
دکھائیں گے کہ اگر ممکن ہو تو برگزیدوں
کو بھی گمراہ کر لیں۔" (متی ۲۴/۲-۲۴)

مندرجہ بالا پیشگوئی میں یروشلم کی تباہی اور ہیکل کی بربادی کے علاوہ یہودی قوم پر بہت بڑی مصیبت کا ذکر ہے۔ ایسے وقت میں اگر کوئی کہے کہ مسیح وہاں ہے یا یہاں ہے تو یقین نہ کرنا اُس وقت جھوٹے مسیح اور جھوٹے نبی اُٹھ کھڑے ہوں گے جو بڑے نشان اور عجیب کام دکھائیں گے۔

عیسائی کہتے ہیں کہ یہ خوفناک مصیبت ۷۰ء میں یہودی قوم پر نازل ہوئی۔ اس کا ذکر تفصیل کے ساتھ عیسائیوں کی کتاب "یروشلم کے آخری ایام" میں ملاحظہ فرمائیں۔ یہ کتاب پنجاب ریلیجس بک سوسائٹی انارکلی لاہور نے ۱۹۵۵ء میں شائع کی ہے۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ ہیکل کی مسماری اور یروشلم کی تباہی کے علاوہ یہودیوں کا قتل عام انجیل متی باب ۲۴ کی پیشگوئی کے مطابق ظہور میں آیا اور اُس وقت ایک جھوٹا نبی بھی موجود تھا (ص۶۷ و ص۶۹)۔ پادری ڈاکٹر ایچ۔ یُوسٹینٹن صاحب لکھتے ہیں "رومی جنرل طیطس نے ۷۰ء میں ہیکل کی بنیادوں کو اکھاڑ دیا اور یروشلم کی تباہی سے پہلے کئی جھوٹے مسیح نمودار ہوئے اُس کے بعد کوئی برپا نہیں ہوا۔" (تفسیر متی ص۱۴۷ و ص۶۵۰)

پس یروشلم کی تباہی اور ہیکل کی مسماری اور بے نظیر مصیبت کے وقت جھوٹے مسیح اور جھوٹے نبیوں کا آنا مذکور ہے۔

آخری وقت کا مطلب

نئے عہد نامہ میں "آخری دنوں" "زمانے کے آخر" "زمانوں کے آخر" "آخیر وقت" وغیرہ سے مراد حضرت مسیح ناصری علیہ السلام کا زمانہ یعنی بعثت اوّل ہے (اعمال ۱۷/۲۔ یوحنا ۱۸/۲۔ ۲ تمتھیس ۱/۳۔ یعقوب ۳/۵۔ ۱۔ پطرس ۲۰/۱۔ عبرانیوں ۲/۱۔ ۲۶/۹۔ ۱ کرنتھیوں ۱۱/۱۰ وغیرہ)

لڑائیوں کا ہونا

پیشگوئی مذکورہ میں جو لڑائیوں کا ذکر ہے ان کے متعلق پادری ایچ۔ یُوسٹینٹن صاحب لکھتے ہیں:-

"کئی لڑائیاں ۳۰ء اور ۷۰ء
کے مابین واقع ہوئیں خصوصاً وہ جنگ
جو پارتھیوں کے برخلاف چھیڑی گئی
اور پھر اس بات کی افواہیں بھی اُڑ گئی
تھیں کہ یہودیوں کے ساتھ لڑائی کی
جائے گی اور یہ افواہیں شہنشاہ کلاڈیس
کالیگولا اور نیرو کے عہدِ سلطنت میں
مشہور ہوئی تھیں۔"

قوم پر قوم کی چڑھائی وغیرہ

پادری صاحب کہتے ہیں:-

"اس قسم کے وہ قتل عام تھے جو دو ایک جگہ ہوئے مثلاً سلوکیہ میں جو دریائے دجلہ پر واقع تھا۔ یونانیوں اور آرامیوں کے ہاتھ سے پچاس ہزار یہودی قتل کئے گئے۔"

(تفسیر متی صفحہ ۱۵۶)

قحط اور بھونچال

پادری صاحب لکھتے ہیں :-

"شہنشاہ کلاڈیس کے زمانِ حکومت کا ایک بڑا حصہ یعنی ۴۶ء سے پچاس تک بڑے قحط کا زمانہ تھا۔ ۴۶ء میں ملک فلسطین کے اندر قحط زدوں کی امداد کے لئے ریلیف ورک یعنی امدادی انتظامات قائم کرنے پڑے۔" (تفسیر متی صفحہ ۱۵۶)

"بھونچال کا شمار جو اس زمانے کے متعلق دیا گیا ہے بہت ہی بڑا ہے اور اس میں وہ بھونچال بھی شامل ہے جو انہیں ایام کے اندر ملک فلسطین میں آیا۔" (تفسیر متی صفحہ ۱۵۶)

کتاب اعمال باب ۱۱ میں شہنشاہ کلاڈیس کے زمانہ میں ایک بہت بڑے قحط کا ذکر ہے۔ (اعمال ۱۱/۲۸)

حاصل کلام آخری زمانے سے مراد حضرت مسیح کا عہد ہے اور پہلی صدی عیسوی ہے جبکہ یروشلم کی بربادی ہوئی اُسی دور میں جھوٹے مسیح اور جھوٹے نبی نمودار ہوئے۔ پطرس رسول کہتا ہے :-

"اور جس طرح اُس اُمت میں جھوٹے نبی بھی تھے اسی طرح تم میں بھی جھوٹے اُستاد ہوں گے جو پوشیدہ طور پر ہلاک کرنے والی بدعتیں نکالیں گے۔"

(۲-پطرس ۲/۱)

اس سے ظاہر ہے کہ یہودی اُمت میں جس طرح جھوٹے نبی تھے اُسی طرح عیسائی اُمت میں جھوٹے نبی ہوں گے۔ پولوس کو ایک جادوگر جھوٹا نبی جس کا نام بریسوع تھا ملا۔ (اعمال ۱۳/۶)

ایک تختونوں میں سے جھوٹے نبی کا ذکر طیطس ۱/۱۲ میں موجود ہے۔ اس کے علاوہ یوحنا اپنے پہلے خط میں لکھتا ہے :-

"اے لڑکو یہ آخیر وقت ہے اور جیسا تم نے سُنا ہے کہ مخالف مسیح آنے والا ہے اس کے موافق اب بھی بہت سے مخالف مسیح پیدا ہو گئے ہیں۔ اس سے ہم جانتے ہیں کہ یہ اخیر وقت ہے۔ وہ نکلے تو ہم ہی میں سے مگر ہم میں سے تھے نہیں اس لئے کہ اگر ہم میں سے ہوتے تو ہمارے ساتھ رہتے۔"

(۱-یوحنا ۲/۱۸-۱۹)

پھر لکھا ہے :-

"اے عزیزو! ہر ایک رُوح
کا یقین نہ کرو بلکہ رُوحوں کو آزماؤ
کہ وہ خدا کی طرف سے ہیں یا نہیں
کیونکہ بہت سے جھوٹے نبی دنیا
میں نکل کھڑے ہوئے ہیں۔"
(۱۔ یوحنا $\frac{4}{1}$)

ان حوالجات سے معلوم ہو جاتا ہے کہ جھوٹے نبیوں کی آمد مسیحیت ہی سے ہے۔ اس کے ثبوت میں مزید حوالجات پیش خدمت ہیں۔

پہلی نشانی بائبل شریف میں بھیڑوں اور بھیڑوں سے مراد قوم اسرائیل ہے (پیدائش $\frac{49}{24}$، حزقیل $\frac{34}{22}$، صفنیاہ $\frac{3}{13}$) حضرت مسیح نے شاگردوں کو بنی اسرائیل کے گھرانے کی طرف بھیجا (متی $\frac{10}{6}$) اور انہیں فرمایا "دیکھو میں تمہیں بھیجتا ہوں گویا بھیڑوں کو بھیڑیوں کے بیچ میں" (متی $\frac{10}{16}$، لوقا $\frac{10}{3}$)

مطلب واضح ہے۔ بھیڑوں سے مراد عیسائی ہیں اور بھیڑیوں سے مراد یہودی۔

جھوٹے نبیوں کے متعلق فرمایا "وہ بھیڑوں کے بھیس میں آتے ہیں مگر باطن میں پھاڑنے والے بھیڑیئے ہیں" (متی $\frac{7}{15}$) یعنی یہودی بھیڑیئے عیسائیت کی (بھیڑوں) کے لباس میں ہونگے۔

دوسری نشانی جھوٹے نبیوں کے متعلق حضرت مسیح فرماتے ہیں:۔

"اُس دن بہتیرے مجھ سے کہیں گے
اے خداوند اے خداوند! کیا
ہم نے تیرے نام سے نبوت نہیں
کی اور تیرے نام سے بدروحوں
کو نہیں نکالا؟" (متی $\frac{7}{22}$)

ظاہر ہے کہ جھوٹے نبی مسیح کو "خداوند، خداوند" کہنے والے ہوں گے اور مسیح کے نام پر نبوت کر کے بدارواح کو نکالنے والے ہونگے۔ یہ بھی ان کے عیسائی ہونے کی ایک پکی علامت ہے۔ یوحنا کے خط سے بھی یہی واضح ہوتا ہے کہ

"نکلے تو ہم ہی میں سے مگر ہم میں سے
تھے نہیں۔" (۱۔ یوحنا $\frac{2}{19}$)

پس جھوٹے نبیوں کا ظہور عیسائیت ہی سے ہوتا تھا۔ انجیل کی اس پیشگوئی کا اسلام اور مسلمانوں سے کوئی تعلق نہیں۔ پھر یہ پیشگوئی عیسائیوں کے ایک خاص زمانہ سے تعلق رکھتی ہے جو پوری ہو چکی ہے۔ اس کی آڑ لے کر مسیح موعودؑ سے محروم رہنا بڑی بدقسمتی ہے +

عیسائیوں کے چند تازہ حوالے (بقیہ صفحہ ۲)

کہاں سیکھا پڑھا اور کون انکے استاد تھے؟ سوایسے بیان کے نہ ہونے کا بے جا فائدہ عیسائیت کے مخالفین اٹھانے لگے ہیں" (اخوت اپریل ۱۹۶۸ء صفحہ ۳)

گویا اناجیل نے حضرت مسیح کی زندگی کے بڑے اور اہم حصہ کو پردۂ خفا میں رکھا ہے۔ کیا عیسائیوں کیلئے روا ہے کہ ایسے انسان کو عالمگیر اُسوہ کے طور پر پیش کریں؟ +

مسیح ناصریؑ کے کفن کی سائنسی تحقیقات

آیاتِ سماویہ کی ایک کڑی!

(محترم جناب نسیم سیفی صاحب سابق رئیس التبلیغ مغربی افریقہ)

حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے
مسیح موعودؑ کی علامات میں سے ایک یہ علامت
بیان فرمائی تھی کہ وہ کسرِ صلیب کرے گا۔ اگرچہ
ایک لمبے عرصہ تک یہی سمجھا جاتا رہا کہ شاید آنے
والا مسیح عیسائیوں کی وہ صلیبیں جو وہ سینے گلے
میں لٹکاتے ہیں یا جو گرجوں کے دروازوں پر
نصب کی جاتی ہیں توڑتا پھرے گا اور ایک
ملک سے دوسرے ملک اور ایک شہر سے
دوسرے شہر اس کام کی تکمیل کے لئے گھومتا
پھرے گا لیکن حضرت مسیح موعود علیہ السلام
نے اللہ تعالیٰ سے علم پاکر کسرِ صلیب کی یہ تشریح بیان
فرمائی کہ آنے والے مسیح کے ذمہ جو یہ کام لگایا
گیا تھا تو اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ براہینِ قاطعہ
سے یہ ثابت کر دکھائے گا کہ مسیح ناصری صلیب
پر فوت نہیں ہوئے تھے اور اس طرح عیسائیوں
کا عقیدہ جسے وہ کفارہ کے نام سے یاد کرتے
ہیں اور جو گناہ پر دلیری پیدا کرنے میں سب سے
زیادہ مؤثر ثابت ہوا ہے سراسر غلط ثابت
ہو جائے گا۔ چنانچہ حضور علیہ السلام اپنی کتاب
"کتاب البریہ" میں فرماتے ہیں :-

"اس جگہ طبعاً یہ سوال پیدا
ہوتا ہے کہ مسیح موعود کو کیونکر اور
کن وسائل سے کسرِ صلیب کرنا
چاہئے؟ کیا جنگ اور لڑائیوں
سے جس طرح ہمارے مخالف
مولویوں کا عقیدہ ہے؟ یا کسی
اور طور سے؟ اس کا جواب یہ
ہے کہ مولوی لوگ (خدا ان کے
حال پر رحم کرے) اس عقیدے
میں سراسر غلطی پر ہیں۔ مسیح موعود
کا منصب ہرگز نہیں ہے کہ وہ
جنگ اور لڑائیاں کرے بلکہ
اس کا منصب یہ ہے کہ حجج عقلیہ
اور آیاتِ سماویہ اور دعا سے
اس فتنہ کو فرو کرے۔ یہ تین ہتھیار
خدا تعالیٰ نے اس کو دیئے ہیں اور

تلیثوں میں ایسی اعجازی قوت
رکھی ہے جس میں اس کا غیر ہرگز
اس سے مقابلہ نہیں کر سکے گا۔ آخر
اس طور سے صلیب کو توڑا جائیگا
یہاں تک کہ ہر ایک محقق نظر سے
اس کی عظمت اور بزرگی جاتی رہیگی
اور رفتہ رفتہ توحید قبول کرنے
کے وسیع دروازے کھلیں گے۔
یہ سب کچھ تدریجاً ہوگا۔ کیونکہ
خدا تعالیٰ کے سب کام تدریجی ہیں
کچھ ہماری حیات میں اور کچھ بعد
میں ہوگا۔" (کتاب البریہ صفحہ ۲۶۵)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کسر صلیب کے
دلائل دیتے ہوئے فرمایا:-

"مجھ سے پہلے یہودیوں نے
حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نسبت
بھی یہی ارادہ کیا کہ ناحق مجرم
ٹھہرا کر سُولی دلا دیں مگر خدا کی قدرت
دیکھو کہ کس طرح اُس نے اپنے
مقبول کو بچا لیا۔ اس نے پیلاطوس
کے دل میں ڈال دیا کہ یہ شخص بے گناہ
ہے اور فرشتہ نے خواب میں اس
کی بیوی کو ایک رعبناک نظارہ
میں ڈرایا کہ اس شخص کے مصلوب
ہونے میں تمہاری تباہی ہے۔ پس
وہ ڈر گئی اور اس نے اپنے خاوند کو
اس بات پر مستعد کیا کہ کسی حیلہ سے
مسیح کو یہودیوں کے بد ارادے
سے بچا لے۔ پس اگرچہ وہ بظاہر
یہودیوں کے آنسو پونچھنے کے لئے
صلیب پر چڑھایا گیا لیکن وہ قدیم
رسم کے موافق نہ تین دن صلیب پر
رکھا گیا جو کسی کے مارنے کے لئے
ضروری تھا اور نہ ہڈیاں توڑی
گئیں بلکہ یہ کہہ کر بچا لیا گیا کہ "اسکی
تو جان نکل گئی" اور ضرور تھا کہ
ایسا ہوتا تا خدا کا مقبول اور
راستباز نبی جرائم پیشہ کی موت
سے مر کر یعنی صلیب کے ذریعہ
سے جان دیکر اس لعنت کا حصہ
نہ لیوے جو روزِ ازل سے اُن
شریروں کے لئے مقرر ہے جن
کے تمام علاقے خدا سے ٹوٹ جاتے
ہیں اور درحقیقت جیسا کہ لعنت کا
مفہوم ہے وہ خدا کے دشمن اور
خدا ان کا دشمن ہو جاتا ہے۔ پس
کیونکر وہ لعنت جس کا یہ ناپاک
مفہوم ہے ایک برگزیدہ پر وارد
ہو سکتی ہے؟ سو اسلئے حضرت عیسیٰ
علیہ السلام صلیبی موت سے بچائے

گئے۔" (کتاب البریہ صفحہ)

دلائل اور براہین کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کسرِ صلیب کے تین ہتھیاروں میں سے ایک ہتھیار قرار دیا تھا۔ اس کے علاوہ دو ہتھیار جن کا حضورؑ نے ذکر فرمایا آیاتِ سماویہ اور دعا تھے۔ حضور علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا تھا کہ کسرِ صلیب کا کام تدریجاً ہوگا اور کہ "کچھ ہماری حیات میں اور کچھ بعد میں ہوگا۔"

دراصل یہ تین ہتھیار ایسے ہیں کہ ان میں سے ایک یعنی دعا دوسرے دو ہتھیاروں کو منصۂ شہود پر لانے اور ان کو مضبوط سے مضبوط تر کرنے کا باعث ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی دعاؤں ہی کے نتیجہ میں کسرِ صلیب کے سلسلہ میں آج تک نئے سے نئے دلائل ہمارے سامنے آ رہے ہیں اور آیاتِ سماویہ جو معجزانہ کیفیات کی حامل ہیں دنیا کو یہ یقین کرنے پر مجبور کر رہی ہیں کہ حضرت مسیح ناصریؑ نے صلیب پر وفات نہیں پائی۔ وہ زندہ اُتار لئے گئے تھے، زندہ ہی قبر میں رکھے گئے اور زندہ ہی قبر سے باہر آ کر اپنے حواریوں سے ملے اور اس کے بعد ایک طویل سفر اختیار کر کے کشمیر میں زندگی کے باقی ماندہ دن گزار کر اپنے مولائے حقیقی سے جا ملے۔

ان آیاتِ سماویہ کی ایک کڑی وہ کفن ہے جو صلیبی جنگوں کے دوران چودھویں صدی میں ٹورین (TURIN) کے راہب خانہ سے عیسائیوں کو ملا۔ اگرچہ یہ کفن چودھویں صدی ہی سے یورپ میں نہایت احتیاط کے ساتھ محفوظ طریقوں پر رکھا جا رہا ہے لیکن اس کی افادیت کا اظہار حال ہی میں ہونا شروع ہوا ہے۔ سائنسی طریقوں کو بروئے کار لاتے ہوئے اب متعدد سائنسدان اس نتیجہ پر پہنچ چکے ہیں کہ اس کفن کے متعلق لوگوں نے جن شکوک و شبہات کا اظہار کیا تھا وہ سراسر غلط تھے اور کہ یہ وہی کپڑا ہے جس میں حضرت مسیح ناصری علیہ السلام کو صلیب سے اُتار کر لپیٹا گیا تھا۔ وہ دوائیں جو مرہم عیسیٰ کے نام سے طبی کتب میں مذکور ہیں کچھ ایسی تھیں کہ گویا وہ کپڑے کو منفی فلم کی طرح بنا دیتی تھیں۔ آج تک اس کپڑے پر حضرت مسیح ناصریؑ کے جسم کے مَس ہونے کے اتنے واضح نشانات موجود ہیں کہ فوٹوگرافروں نے اس کپڑے سے حضرت مسیح ناصریؑ کی تصاویر بھی نہایت کامیابی کے ساتھ تیار کی ہیں۔

اس کفن کی سائنسی تحقیقات سے متعلق حال ہی میں جرمنی میں ایک کتاب شائع ہوئی ہے جس کا ترجمہ بعض دوسری زبانوں میں بھی ہو چکا ہے۔ ۱۹۶۶ء میں ڈچ زبان میں اس کا ترجمہ ہوا تھا۔ یہ بات قارئین کے لئے دلچسپی سے خالی نہ ہوگی کہ جس فرم نے یہ ترجمہ شائع کیا ہے اسی نے حضرت مولانا جلال الدین صاحب شمس رضی اللہ عنہ کی کتاب WHERE DID JESUS DIE (عیسیٰ علیہ السلام کہاں فوت ہوئے) بھی بہت

دلچسپی لی ہے اور اپنے خرچ پر اس کتاب کو شائع بھی کیا ہے۔

جرمن کتاب جس کا اُوپر ذکر کیا گیا ہے ایک رومن کیتھولک کی تصنیف ہے جس نے فوٹو گرافی کی نہایت جدید سائنسی ایجادات سے مدد لیکر مختلف زاویوں سے کفن کی تصاویر لیکر یہ ثابت کیا ہے کہ حضرت مسیح ناصری اس کفن میں زندہ ہی لپیٹے گئے تھے۔ جس کا مطلب دوسرے الفاظ میں یہ ہے کہ وہ صلیب سے زندہ ہی اُتارے گئے تھے۔ چنانچہ اس نے کتاب کا نام ہی "مسیح صلیب پر فوت نہیں ہوئے" رکھا ہے۔

ڈچ زبان میں جو ترجمہ شائع ہوا ہے اس کے تعارف کے طور پر پبلشر نے ایک پمفلٹ شائع کیا ہے جس کا نام بھی کسرِ صلیب کی راہ میں ایک سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ پمفلٹ کا نام ہے "حیرت انگیز انکشافات روایتی مسیحی عقیدہ کو متزلزل بنا رہے ہیں۔ مسیح صلیب پر فوت نہیں ہوئے بلکہ اسی جسدِ عنصری کے گوشت پوست کے ساتھ اُٹھ کھڑے ہوئے اور اس طرح عہد نامہ قدیم کی پیشگوئیوں کو پورا کرنے والے ثابت ہوئے" تعارف نامہ میں بتایا گیا ہے کہ کتاب کے مندرجات ایک بین الاقوامی تنظیم کی سالہا سال کی محنت سے کی ہوئی تحقیق کا نتیجہ ہیں۔ اور کہ اس کفن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جس وقت حضرت مسیح ناصری کو صلیب سے اُتار کر اُس میں لپیٹا گیا تھا اُس وقت آپ زندہ تھے۔ مسیح ناصری کے دل کی دھڑکن نے اس کفن پر اپنے جو اثرات چھوڑے ہیں وہ بھی اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ وہ صلیب سے زندہ ہی اُتارے گئے تھے اور یہود اپنے ارادوں میں ناکام ہو گئے تھے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ جو انہیں صلیب پر مارنا چاہتے تھے وہ تمام کوششوں کے باوجود اپنی مراد کو نہ پا سکے۔

عیسائیوں نے اس کفن کو ہمیشہ تبرک کے طور پر محفوظ رکھا ہے۔ رومی حکومت کے زوال کے بعد اسے BYZANTIUN (بائی زین شین) مقام پر لاکر رکھا گیا۔ یہ مقام رومی حکومت کے مشرقی حصہ کا ایک بڑا شہر تھا۔ اس جگہ یہ کفن تقریباً سات سو سال تک نہایت عزت و تکریم کے ساتھ رکھا گیا۔ اس کے بعد اسے فرانس لایا گیا۔ سن ۱۵۷۸ء میں یہ کفن اٹلی میں ٹورین کے مقام پر لایا گیا جہاں اب تک مقدس یادگار کے طور پر محفوظ ہے۔ اگرچہ بعض لوگوں نے اس کے مستند ہونے میں شبہ کا اظہار کیا ہے لیکن اب تک اس کفن پر اتنی سائنسی تحقیق ہو چکی ہے کہ اب شبہ کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

حال ہی میں اٹلی کے ایک فوٹو گرافر کو کیتھولک چرچ کی طرف سے یہ حکم ملا تھا کہ

وہ اس کفن کی تصاویر لیں تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ مسیحؑ
کے صلیبی واقعہ کے بعد جو باتیں ڈرامائی انداز
میں وقوع پذیر ہوئیں ان کے متعلق مزید تفصیلات
حاصل کرنے میں یہ کفن کس حد تک مددگار ہو سکتا ہے۔
ایک دفعہ اس کپڑے کو آگ بھی لگ گئی تھی
لیکن چونکہ اسے کسرِ صلیب کے سلسلہ میں ایک
آسمانی نشان کی صورت اختیار کرنی تھی اور
حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے موقف کو تقویت
پہنچانے کا باعث بننا تھا اس لئے آگ کے
دھبے تو موجود ہیں لیکن کفن کو کوئی ایسا نقصان
نہ پہنچا تھا جس سے اس کے وہ آثار مٹ جاتے
جن سے حضرت مسیح ناصریؑ کا اس میں زندہ ہونا
ثابت ہوتا ہے۔ چنانچہ مذکورہ بالا کتاب کے
تعارف نامہ ہی میں یہ بھی تحریر ہے کہ:۔

"خون کے نشانات بتلاتے
ہیں کہ صلیب سے اُترنے کے
بعد بھی دورانِ خون جاری تھا
اور حرکتِ قلب بھی معمول پر تھی۔
مسیح کے پہلو میں جو ایک سپاہی
نے بھالا مارا تھا اس کی جگہ بھی
خون کے نشانات کی مدد سے
متعین کی جا سکتی ہے۔ دراصل
بھالا ایسی جگہ لگا تھا جہاں سے
دل کو کوئی گزند نہ پہنچ سکتی تھا۔
اس تحقیق کا جو اہم ترین نتیجہ نکلا
ہے وہ اس حقیقت کا اظہار
ہے کہ خون کے اس طرح کے
دھبے صرف اُس جسم سے لگ
سکتے ہیں جس میں دل ابھی حرکت
کر رہا ہو۔ پس واقعہ صلیب
کے بعد بھی مسیح زندہ تھے۔"

اس کتاب کے مصنف کے علاوہ بھی متعدد
محققین نے اس کفن کو اپنی توجہ کا مرکز بنایا ہے
اور تصاویر کے ذریعہ اور دیگر کئی قسم کے تجارب
کے بعد یہ تمام لوگ اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ اس کفن
میں لپیٹے جانے کے وقت ——— اور قبر سے
باہر نکلنے تک حضرت مسیح ناصریؑ زندہ تھے۔

ستائیس فروری ۱۹۶۷ء کو نیوزی لینڈ
کے ایک اخبار ویکلی نیوز میں اوڈیٹے چرنائن
(ODETTE TCHERNINE) کا ایک
مضمون شائع ہوا تھا جس کا عنوان تھا "مقدس
کفن سے مسیح کا چہرہ صاف ظاہر ہوتا ہے"
مضمون یوں شروع ہوتا ہے "کیا مسیح ایسے ہی
تھے (یعنی چہرہ مہرہ کے لحاظ سے)۔ کیا یہ ان کی
اصل تصویر ہے؟ ....." مذہبی حلقوں میں اس پر
تعجب کا اظہار کیا جا رہا ہے اور اس امر کو اکثر
زیرِ بحث لایا جاتا ہے۔ دراصل یہ موضوعِ گفتگو
ایک بم کی صورت میں لنڈن کے ۴۵ سالہ
فوٹوگرافر لیو والا (LEO VALA) نے
سائنسی حلقوں میں پھینکا ہے۔ اس فوٹوگرافر

نے جو اپنے آپ کو لامذہب کہتے ہیں تصویر ٹورین کے کفن سے ــــــ جو کہ بعض لوگوں کی نظروں میں مستند نہیں ــــــ تیار کی ہے۔ یہ کفن تیرہ فٹ چھ انچ لمبا ہے اور صلیب کے بعد مسیح کے جسم کو اس میں لپیٹا گیا تھا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جن دواؤں کو مسیح کے جسم پر مَلا گیا تھا انہوں نے اس کپڑے پر ایسے نقوش چھوڑے ہیں کہ گویا یہ کپڑا منفی فلم بن گیا ہے۔ "لیو والا" نے جو کہ مشرقی تصاویر کے ماہر ہیں نہایت چابکدستی سے اور ذہانت کو بروئے کار لاتے ہوئے مسیح کی تصویر تیار کی ہے۔

اس مضمون کے ساتھ انہوں نے حضرت مسیح ناصری کے چہرے کی متعدد اور مختلف زاویوں سے تصاویر بھی دی ہیں اور کفن میں لپیٹے ہوئے کی حالت کی بھی ایک تصویر پیش کی گئی ہے۔

اسی طرح امریکہ کے ہفتہ وار "نیوز ویک" نے ۲۹ر اپریل ۱۹۷۸ء کی اشاعت میں مذہب کے کالم میں ایک مضمون شائع کیا ہے جس کا عنوان ہے "کفن کا راز"۔ یہ مضمون قصر پوپ کے ایک لائبریرین گیولیو رِچّی (GIULIO RICCI) کی اٹھارہ سالہ تحقیق سے متعلق ہے۔ مسٹر رِچّی جو دو اہم کتب کے مصنف بھی ہیں اس خیال کا اظہار کرتے ہیں کہ ٹورین کا کفن واقعی وہی کفن ہے جس میں حضرت مسیح ناصری کو صلیب کے بعد رکھا گیا تھا۔ ان کا خیال ہے کہ مسیح ناصری کی تصاویر اور بُت جو ایک لمبے عرصہ سے منظر عام پر آ رہے ہیں اور جن کے متعلق عام لوگوں کا خیال ہے کہ وہ واقعی مسیح ناصری ہی کی شبیہ ہیں دراصل ان کی شبیہہ نہیں ہیں۔ نیوز ویک کے مضمون کا آغاز یُوں ہوتا ہے "عیسیٰ علیہ السلام کتنے بڑے تھے (یعنی لمبے کتنے تھے اور بھاری بھرکم تھے یا ہلکے پھلکے) مسیح کی تصاویر جن میں انہیں ایک لمبا سا شخص دکھایا گیا ہے درست نہیں ہیں۔ کم از کم ایک اطالوی عالم کا یہی خیال ہے (کہ یہ تصاویر درست نہیں ہیں) ان کے خیال میں مسیح ناصری پانچ فٹ چار انچ سے کسی قدر کم قد کے تھے اور ان کا وزن صرف ایک سو پچپن پونڈ تھا۔

اس مضمون میں جو مزید تفاصیل دی گئی ہیں ان سے مسیح کے صلیب تک جانے، راستے میں مارپیٹ اور صلیب کے وزن وغیرہ کے متعلق معلومات حاصل ہوتی ہیں۔ مضمون نگار لکھتے ہیں کہ اگرچہ بعض لوگوں نے اس کفن کے متعلق شبہات کا ذکر کیا ہے لیکن قصر پوپ کا ہفت روزہ "L'OSSERVATORE DALLA DOMENICA" رِچّی (RICCI) کی تحقیق سے بہت متاثر ہوا ہے۔ رِچّی نے اس یقین کا اظہار کیا ہے کہ کفن پر صاف طور پر ایسے نشانات دکھائی دیتے ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ کفن میں رکھے جانے والے شخص کو مارا پیٹا گیا تھا۔ اس

کے سر پر کانٹوں کا تاج رکھا گیا تھا ، اسے صلیب دی گئی تھی اور کسی تیز دھار والی چیز سے اسکے جسم میں زخم لگایا گیا تھا ۔ رگی کا یہ بھی کہنا ہے کہ جب مسیح صلیب اٹھا کر صلیب گاہ کی طرف جا رہے تھے تو راستے میں چھڑی سے جو انہیں مارا گیا تھا اس کے اٹھا نوے نشان تو بالکل ظاہر ہیں ۔ لیکن ہو سکتا ہے کہ ایک سو بیس نشان ہوں ۔

اپنی تحقیق کے نتیجہ میں جو ایک اہم بات انہوں نے پیش کی ہے وہ یہ ہے کہ چونکہ مسیح ناصری کو صلیب پر اس طرح لٹکایا گیا تھا کہ اُن کے پاؤں میں (بائیں کے اُوپر دایاں) بھی میخ گاڑی گئی تھی اس لئے مسیح دوسرے لوگوں کی طرح جلدی فوت نہ ہوئے بلکہ زیادہ دیر تک زندہ رہے ۔ ان کا خیال ہے کہ اگر پاؤں میں میخ نہ گاڑی جاتی تو وہ زیادہ سے زیادہ دس منٹ میں فوت ہو جاتے ۔

اس کفن کے متعلق جو تحقیق اب تک ہو چکی ہے (اور مزید ثبوت بھی مہیا کئے جا رہے ہیں) اس سے یہ بات روز روشن کی طرح ثابت ہو چکی ہے کہ حضرت مسیح ناصری علیہ السلام صلیب پر سے زندہ ہی اُتارے گئے تھے اور قبر میں زندہ ہی رکھے گئے تھے اس لئے قبر سے باہر نکلنا اور اپنے حواریوں سے باتیں کرنا کسی طرح بھی اس بات کی دلیل نہیں ہو سکتی کہ وہ مُردوں سے جی اُٹھے تھے ۔ انہوں نے خود یہ پیشگوئی کی تھی کہ وہ یونس نبی کی طرح زندہ ہی زمین کے پیٹ میں داخل ہوں گے یہ پیشگوئی پوری ہوئی اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے بڑی شان سے پوری ہوئی ۔ اگرچہ اس پیشگوئی کے پورا ہونے کے ثبوت حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جنہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کاسر صلیب کا لقب عطا فرمایا تھا اس زمانہ میں دُنیا کے سامنے پیش کئے ہیں ۔ ثبوت کے کچھ حصے تو حضور علیہ السلام نے دلائل و براہین کے رنگ میں پیش فرما دیئے اور کچھ آیات سماویہ پر چھوڑ دیئے ۔ چنانچہ آیات سماویہ معجزانہ رنگ میں ظاہر ہو رہی ہیں اور حضرت کاسر صلیب کے دلائل کی مزید مضبوطی کا باعث بن رہی ہیں ۔ ٹورین کا کفن ان آیات سماویہ ہی کی ایک کڑی ہے ۔

یہ عجیب بات ہے کہ اس کفن کی تحقیق کے سلسلہ میں جو کچھ بھی معلوم ہو سکا ہے اس کا منبع وہ دوائیں ہی ہیں جو مسیح کے جسم پر لگائی گئی تھیں اور جنکی وجہ سے اس کفن پر مسیح کے جسم کے نقوش اور اُن کے دل کی حرکت کے آثار باقی رہ گئے ہیں ۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنی کتاب کتاب البریہ میں تحریر فرماتے ہیں " یہ مرہم پوشیدہ راز کا نہایت یقینی طور پر پتہ لگاتی ہے اور قطعی طور پر ظاہر کرتی ہے کہ درحقیقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام صلیبی موت سے بچائے گئے تھے " (ص۳۵) بلاشبہ اس کفن نے مسیح ناصری کے صلیب کی موت سے بچنے کے دلائل بہم پہنچائے ہیں تو مرہم نے بھی کوئی کم کردار ادا نہیں کیا ؟

ایک پُرعظمت پیشگوئی اور اسکے ظہور کے اسباب

احباب اس اشاعت میں حضرت مسیح ناصریؑ کے کفن پر بھی مقالہ پڑھ چکے ہیں اب سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اس پُرعظمت پیشگوئی پر بھی غور فرمائیں کہ اسکی تائید میں کس طرح آسمانی اسباب پیدا ہورہے ہیں۔ اس پیشگوئی کے الفاظ کے بعد روزنامہ آفتاب سرینگر کی خبر بھی پڑھیں جس میں حضرت مسیح ناصریؑ کی قبر کے متعلق حکومت کی طرف سے تحقیقات کا آغاز ہورہا ہے۔ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ۔ (ایڈیٹر)

(۱)

"یہ خدا کا ارادہ تھا کہ وہ چمکتا ہوا حربہ اور وہ حقیقت نما برہان کہ جو صلیبی اعتقاد کا خاتمہ کرے اسکی نسبت ابتداء سے یہی مقدر تھا کہ مسیح موعود کے ذریعہ سے دنیا میں ظاہر ہو کیونکہ خدا کے پاک نبی نے یہ پیشگوئی کی تھی کہ صلیبی مذہب نہ گھٹے گا اور نہ اُس کی ترقی میں فتور آئے گا جب تک کہ مسیح موعود دنیا میں ظاہر نہ ہو اور وہی ہے جو کسر صلیب اسکے ہاتھ پر ہوگی۔ اس پیشگوئی میں یہی اشارہ تھا کہ مسیح موعود کے وقت میں خدا کے ارادہ سے ایسے اسباب پیدا ہو جائیں گے جن کے ذریعہ سے صلیبی واقعہ کی اصل حقیقت کُھل جائیگی تب انجام ہوگا اور اس عقیدہ کی عمر پوری ہو جائیگی لیکن نہ کسی جنگ اور لڑائی سے بلکہ محض آسمانی اسباب سے جو علمی اور استدلالی رنگ میں دنیا میں ظاہر ہوں گے"

(مسیح ہندوستان میں - صلا)

(۲)

"سری نگر میں یسوع مسیح کی قبر حکومت کشمیر نے تحقیقات کیلئے پندرہ ہزار روپے منظور کئے

سری نگر ۶ اپریل سٹاف رپورٹر۔ شہر میں مسیحی مذہب کے بانی یسوع مسیح کی قبر کی موجودگی نے اب ایک بین الاقوامی اہمیت حاصل کرلی ہے۔ حکومت کشمیر نے اسی بات کے پیش نظر پندرہ ہزار روپے کی ابتدائی رقم اس بات کے لئے منظور کی ہے تاکہ اس قبر کی موجودگی کے متعلق تاریخی شواہد اور ثبوت ایک مستند کتاب کی شکل میں شائع کئے جائیں۔ یہ روپیہ محکمہ ریسرچ میں جمع کروا دیا گیا ہے اور امکان ہے کہ موجودہ مالی سال میں اس غرض کے لئے ایک بڑی رقم اور وقف کردی جائیگی اطلاع کے مطابق حکومت بین الاقوامی اور ملکی ماہرین کی ایک سرکردہ کمیٹی کو اس سلسلے میں چھان بین کا کام سونپ رہی ہے بتایا جاتا ہے کہ سر محمد ظفراللہ خان کے انکشافات کے بعد کہ یہ قبر سرینگر میں ہے مغربی ممالک میں اس میں زبردست دلچسپی پیدا ہوگئی ہے۔ اطلاع کے مطابق امریکی اور برطانوی حکومتوں نے اس سلسلے میں حکومت ہند سے صورت حال کو واضح کرنیکی درخواست کی ہے۔ خیال ہے کہ مسیحی دنیا کے عالموں کا ایک وفد جلد ہی سرینگر آئیگا۔ اگر ثبوت وغیرہ فراہم ہوگئے تو سرینگر کو عیسائیت کی ایک بین الاقوامی زیارت گاہ بنانے کی تجویز پر سنجیدگی سے غور ہوگا تاکہ ہر سال یہاں لاکھوں عیسائی اس قبر کی زیارت کیلئے آئیں" (روزنامہ آفتاب سرینگر [illegible])

عیسائیوں میں تبلیغِ اسلام کے دلچسپ واقعات

انگلستان اور امریکہ میں تبلیغِ اسلام

(از محترم میجر (ر) عبد الحمید صاحب سابق مبلغ انگلستان و امریکہ)

اس عاجز کو ستمبر ۱۹۵۹ء میں پاکستان آرمی سے ۱۳ر نومبر ۱۹۶۰ء سے پنشن پر جانے کے احکام موصول ہوئے۔ میں نے فوراً تہیہ کر لیا کہ پنشن ملنے کے بعد خدمتِ دین کے لئے اپنی زندگی وقف کر دوں گا۔ اور دعا بھی کرتا رہا کہ اللہ تعالیٰ مجھے تبلیغِ اسلام کی توفیق دے۔

ایک خواب

پنشن کے احکام صادر ہونے کے معاً بعد ایک رات میں نے مندرجہ ذیل خواب دیکھا۔

کیا دیکھتا ہوں کہ ایک چٹیل میدان ہے اور میں جناب جنرل آئزن ہاور صاحب جو اُن دنوں امریکہ کے پریذیڈنٹ تھے، کی معیت میں کھڑا ہوں۔ ہم دونوں دنیا کے حالات کے بارہ میں آپس میں تبادلۂ خیالات کر رہے ہیں گفتگو انگریزی زبان میں ہو رہی ہے۔ میں کہتا ہوں:۔

"Firm belief in God is great power"

ترجمہ۔ خدا تعالیٰ پر محکم یقین بڑی طاقت ہے"

شروع شروع میں جنرل صاحب میرے نقطۂ نگاہ سے متفق نہیں ہوتے اور اگرچہ جن الفاظ میں وہ اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہیں وہ الفاظ تو مجھے یاد نہیں رہے تاہم ان کا مفہوم یہ تھا کہ اصل طاقت ایٹمی ہتھیاروں میں ہے۔ میں نے اپنی بات کی تائید میں کہا کہ اگر دنیا میں ایک بھی ایسا فرد ہو جسے خدا تعالیٰ پر محکم یقین حاصل ہو تو خدا اس کی خاطر ساری دنیا کو نیست و نابود کر سکتا ہے۔

بحث و تمحیص کا یہ سلسلہ جاری رہا اور بالآخر جنرل آئزن ہاور صاحب میری رائے سے متفق ہو گئے۔

یہ تو اللہ تعالیٰ کو ہی معلوم ہے کہ اس خواب کی اصل تعبیر کیا ہے مگر بعد کے واقعات نے بتلا دیا کہ اس کا بیشتر حصہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے پورا ہو چکا ہے۔ مثلاً:۔

اوّل۔ ۲۹ر مارچ ۱۹۶۱ء کو تحریکِ جدید کے زیرِ انتظام میں کراچی سے لندن بذریعہ ہوائی جہاز بغرضِ تبلیغ گیا۔ اتفاق سے

جس جہاز پر میں سوار ہوا اُسی پر مسز کینیڈی صاحبہ جو اُس زمانہ میں امریکہ کی خاتونِ اوّل تھیں، بھی سوار تھیں۔ میں نے انکی خدمت میں احمدیت یا حقیقی اسلام کا انگریزی نسخہ پیش کیا جسے بعد میں انہوں نے بذریعہ خط شکریہ کے ساتھ قبول فرمایا اور کہا میں اس نسخہ کو اپنی لائبریری میں رکھوں گی۔

ب۔ انگلستان سے میں نے ایک تبلیغی خط جے۔ ایف کینیڈی صاحب کی خدمت میں روانہ کیا جو اُن دنوں امریکہ کے پریذیڈنٹ تھے۔

ج۔ انگلستان میں ایک سال تبلیغی خدمت ادا کرنے کے بعد امریکہ میں تقریباً چار سال ۲؍مئی ۱۹۶۲ء سے ۲۸؍فروری ۱۹۶۶ء تک خدمتِ دین کی توفیق ملی۔ جہاں تقریر اور تحریر کے ذریعہ عوام اور خواص کو پیغامِ حق پہنچایا گیا۔

د۔ ڈیٹن (اوہایو) میں اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی توفیق سے ایک خوبصورت مسجد تعمیر کی۔ اگرچہ ڈیٹن میں احمدیہ جماعت کے افراد نہ تعداد میں بہت زیادہ ہیں اور نہ مالی لحاظ سے بہت زیادہ استطاعت رکھتے ہیں لیکن جب انہیں مسجد کی اہمیت سمجھائی گئی تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے انہوں نے بڑھ چڑھ کر قربانی کی اور پندرہ بیس ہزار ڈالر کی رقم جمع کر کے مسجد کی تعمیر میں مدد دی۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو جزائے خیر دے۔ آمین

ھ۔ امریکہ میں اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ایک کتاب

Islam and Christianity

انگریزی میں لکھ کر شائع کی جو مندرجہ ذیل پبلشرز کے ذریعہ امریکہ کے باشندوں اور دوسرے ملکوں کے خریداروں کو فروخت ہو رہی ہے۔

The Carlton Press

Inc

84 Fifth Avenue

New York N.Y.

U.S.A

و۔ امریکہ میں قیام کے دَوران میری بڑی خواہش تھی کہ میں جنرل آئزن ہاور صاحب سے، جو اب کافی عمر رسیدہ ہو چکے ہیں، ملوں اور انہیں پیغامِ حق پہنچا کر اپنی خواب کو ظاہری طور پر بھی پورا کر دوں مگر وہاں تو کوئی ایسا موقع میسّر نہ آ سکا۔ میں جب بھی انہیں ٹیلیویژن پر دیکھتا یا ان کے متعلق کوئی خبر اخبار میں پڑھتا تو متذکرہ بالا خواب یاد آجاتا اور دل سے دُعا نکلتی کہ اللہ تعالیٰ انہیں اُس وقت تک زندہ رکھے جب تک میں ان پر اتمامِ حجت کر لوں۔ چنانچہ اب تھوڑا ہی عرصہ ہوا کہ مجھے اطلاع ملی کہ میری مذکورہ بالا کتاب شائع ہو چکی ہے سو میں نے اس کتاب

کا ایک نسخہ جنرل صاحب کی خدمت میں روانہ کیا۔ ان کی طرف سے شکریہ کا خط موصول ہو چکا ہے۔

یہ عجیب حسنِ اتفاق ہے کہ مَیں نے اس کتاب میں اس بات کو بیّن دلائل کے ساتھ پیش کیا کہ اب خدا تعالیٰ کے فضل کے ساتھ اسلام کا غلبہ مقدر ہو چکا ہے۔ اب تمام وہ طاقتیں جو دنیوی وسائل پر بھروسہ کر رہی ہیں آہستہ آہستہ ختم ہو جائیں گی اور اسلام باوجود اپنی بے سروسامانی کے تمام ادیان پر غالب آ کر رہے گا۔

میرے بعض تبلیغی حالات

اب مَیں بعض تبلیغی واقعات کو اختصار کے ساتھ لکھتا ہوں۔

(۱) میرے ایک خط کے جواب میں کیتھولک انکوائری سنٹر لنڈن کی جانب سے ایک خط جس پر ریورنڈ آر۔ جے۔ این۔ گے (Rev. R. J. N. Gay) کے دستخط ثبت تھے موصول ہوا۔ اس خط میں انہوں نے آخر میں فرمایا:-

"کیتھولک مذہب کی بنیاد اس مسلّمہ حقیقت پر مبنی ہے کہ خدا تعالیٰ نے ازل سے انسانوں کے ساتھ براہِ راست رابطہ قائم کیا۔ گزشتہ زمانہ میں اس نے نبیوں کے ذریعہ کلام کیا اور اب بھی وہ کلام کرتا ہے مگر کلیسیا کے ذریعہ سے۔"

خط لمبا چوڑا ہے مَیں نے ضروری اقتباس دیدیا ہے۔ اس پر مَیں نے لکھا کہ اگر یہ درست ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد خدا تعالیٰ عیسائیوں سے کلیسیا کے ذریعہ کلام کرتا ہے تو ایسا کلام پیش کیا جائے نیز جس شخص پر وہ کلام نازل ہوا ہو اس کا نام و پتہ بھی بتلایا جائے۔

ایک ماہ تک میرے خط کا جواب نہ آیا۔ مَیں نے ٹیلیفون پر یاددہانی کی۔ اس پر مجھے جو جواب موصول ہوا اسے ذیل ہے:-

"چونکہ ریورنڈ گے صاحب رخصت پر ہیں اس لئے ان کی جگہ مَیں (ریورنڈ سمتھ) خط کا جواب دے رہا ہوں۔

میرے خیال میں آپ اس بات کو سمجھ جائیں گے کہ وقت اجازت نہیں دیتا کہ ہم اپنے آپ کو کسی طولانی بحث میں ڈالیں۔ جونہی کہ ہم نے یہ واضح کر دیا کہ کیتھولک چرچ کے عقائد کیا ہیں تمام بحث ختم ہو جاتی ہے مزید بحث وغیرہ کسی مقامی پادری سے کرنی چاہیئے۔

میرے خیال میں آپ نے اصل نقطہ کو نظر انداز کر دیا ہے۔ کیتھولک فرقہ کے لوگ یہ ماننے کے لئے تیار نہیں کہ خدا تعالیٰ اپنی ارضی زندگی

میں تفصیل کے ساتھ کلام کرنے کے
بعد بھی کوئی اور کلام نازل کریگا۔
ایک عیسائی کے لئے یسوع مسیح ہی
اوّل ہیں اور وہی آخر ہیں ....."
کیتھولک انکوائری سنٹر کے اس دوسرے خط
سے یہ بات ظاہر ہوگئی کہ ان کا یہ دعویٰ کہ خدا تعالےٰ
اب بھی چرچ کے ذریعہ کلام کرتا ہے بے بنیاد دعویٰ
ہے جو اپنے ساتھ کوئی شواہد نہیں رکھتا۔
(۴) اکتوبر ۱۹۶۲ء میں رومن کیتھولک کی ایک
کانفرنس روم میں منعقد ہوئی۔ جسے
Ecumenical Conference
یا ویٹیکن کونسل کے نام سے موسوم کیا جاتا
ہے۔ اس میں دنیا بھر سے تین ہزار بشپوں
نے شرکت کی۔ اس عاجز نے ایک پمفلٹ
بعنوان The Promised
Messiah شائع کرکے مرکز کی اجازت
سے پوپ اور چیدہ چیدہ بشپوں کے نام
جو کانفرنس میں شامل ہو رہے تھے روانہ کیا۔
پوپ کی خدمت میں جو پمفلٹ روانہ کیا اس
کے ساتھ ایک خط بھی تھا جس پر امام صاحب
مسجد لندن کے دستخط تھے۔ پمفلٹ اور
خط میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے متعلق
بدلائل بیّنہ ثابت کیا گیا کہ آپ ہی وہ
موعود مسیح ہیں جن کی آمد کی صدیوں سے
انتظار چلی آتی ہے۔ نیز اس خط میں پوپ
سے بدیں الفاظ درخواست کی گئی :-
"اے قابل احترام پوپ!
حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے
ماننے والوں کو موقع دیا جائے کہ
وہ ویٹیکن کونسل کو جو آپ کی زیرِ صدارت
منعقد ہو رہی ہے خطاب کریں۔
اور بتلائیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام
کے دوبارہ آنے کی پیشگوئی حضرت
احمد علیہ السلام کی بعثت سے پوری
ہو چکی ہے۔ سامعین کو اجازت
ہو گی کہ وہ سوالات کرکے اپنے
شکوک کا ازالہ کرائیں۔
ہم جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام
کے متبعین ہیں دوستانہ ماحول میں
تبادلہ خیالات کرنے کے لئے بھی
تیار ہیں کہ حضرت مرزا غلام احمد
صاحب قادیانی ہی مسیح موعود ہیں"
پوپ کی جانب سے اس خط کا جواب موصول
نہیں ہوا۔ تاہم مرکز کو درخواست کی گئی کہ وہ یورپ
کے باقی مبلغین کو بھی ہدایت کریں کہ وہ اس قسم کے
خطوط اور پمفلٹ لکھ کر کانفرنس کی توجہ اسلام
اور احمدیت کی طرف پھیریں۔ معلوم ہوتا ہے
کہ ہماری اس جدوجہد کا ویٹیکن کونسل پر اچھا
اثر ہوا انہوں نے اپنے ایک ریزولیوشن کے ذریعہ
مسلمانوں کے متعلق مندرجہ ذیل فیصلہ کیا :-

"مسلمان خدا تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان کرتے ہیں اور اپنی زندگیوں کو اس کی رضا کی راہوں پر چلنے کیلئے تیار کرتے ہیں۔ وہ عیسیٰ علیہ السلام کو خدا تعالیٰ کا نبی تسلیم کرتے ہیں۔ اگرچہ وہ اس کے خدائی صفات کے حامل ہونے کا انکار کرتے ہیں۔ وہ مریم علیہا السلام کی عزت کرتے ہیں اور یوم البعث کا انتظار کرتے ہیں۔ نماز روزہ اور زکوٰۃ کو فرائض میں شمار کرتے ہیں۔ اب وقت آگیا ہے کہ عیسائیوں اور مسلمانوں میں جو اختلافات ایک دوسرے کے ساتھ دشمنی کی حد تک پہنچ چکے تھے ان کو مٹا دیا جائے اور ان کی بجائے باہم مل کر انصاف اور عمدہ اخلاق کے ذریعہ ایک دوسرے کے ساتھ رابطہ و اتحاد قائم کیا جائے۔"

(۳) چرچ مشنری سوسائٹی لندن کے ایک پادری Canon H.A. Wittenbach صاحب سے اسلام اور عیسائیت کے بارے میں ایک طویل سلسلہ خط و کتابت جاری رہا۔ امریکہ پہنچ کر میں نے پادری صاحب موصوف سے عرض کی کہ وہ مجھے اس خط و کتابت کے شائع کرنے کی اجازت دیں مگر انہوں نے میری درخواست کو مسترد کر دیا اور کہا کہ یہ خط و کتابت نجی حیثیت رکھتی ہے جس کی اشاعت کی وہ ہرگز اجازت نہیں دے سکتے۔ اس میں لطیفہ والی بات یہ ہے کہ اس آخری خط کے علاوہ تمام خطوط پادری صاحب نے چرچ مشنری سوسائٹی کے مطبوعہ لیٹر ہیڈ (Letter head) والے کاغذات پر تحریر کئے تھے۔ پادری صاحب نے عذرِ گناہ بدتر از گناہ پر عمل اس لئے کیا کہ وہ جانتے تھے کہ اگر یہ کتاب شائع ہو گئی تو نہ صرف عیسائیت کے بالمقابل اسلام کی فتح نمایاں ہوگی بلکہ خود ان کی تحریرات سے مسیحیت کے عقائد کا غیر معقول ہونا ثابت ہوگا اور اس طرح انہیں خفت اٹھانی پڑے گی۔

(۴) ایک دفعہ عیسائیت کے ایک مذہبی ادارہ ناکس کالج (Knox College) کو جو کینیڈا میں واقع ہے دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ اس کالج میں پادری ایم۔ اے کرنے کے بعد ڈاکٹر کی ڈگری حاصل کرتے ہیں۔ جاتے ہی ایک پروفیسر صاحب جن کا نام Doctor Hay تھا سے ملا انہوں نے ادارہ کے مختلف شعبوں سے متعارف کیا۔ بالآخر ہم ڈاکٹر صاحب کے کمرہ میں گئے وہاں جا کر میں نے ان سے دریافت کیا کہ وہ ادارہ میں کیا کام کرتے ہیں۔ انہوں نے

بتلایا کہ میں طالبعلموں کو بائیبل کی تفسیر پڑھاتا ہوں۔ میں نے حیرت کے انداز میں سوال کیا "تو کیا آپ بائیبل کی تفسیر کر سکتے ہیں؟" انہوں نے جواب دیا "کیوں نہیں"۔ میں نے عرض کیا "اگر آپ بُرا نہ منائیں تو ان آیات کی تفسیر کر دیں:۔

"اُس نے جواب دے کر اُن سے کہا اِس زمانہ کے بُرے اور زناکار لوگ نشان طلب کرتے ہیں مگر یوناہ نبی کے نشان کے سوا کوئی اور نشان ان کو نہ دیا جائیگا۔ کیونکہ جیسے یوناہ تین رات دن مچھلی کے پیٹ میں رہا ویسے ہی ابن آدم تین رات دن زمین کے اندر رہے گا" (متی ۱۲: ۳۹-۴۰)

اس سوال کے جواب میں ڈاکٹر Hay صاحب نے فرمایا کہ یہ آیت تمثیل ہے تمثیل کیلئے ضروری نہیں ہوتا کہ اس کا ایک حصہ دوسرے حصے کے عین مطابق ہو۔

اس پر میں نے عرض کی تو کیا آپ کا یہ مطلب ہے کہ آیت کو مندرجہ ذیل طریق سے پڑھا جا سکتا ہے:۔

"....کیونکہ جیسے یوناہ تین رات دن مچھلی کے پیٹ میں (زندہ) رہا ویسے ہی ابن آدم تین رات دن (مُردہ) زمین کے اندر رہے گا"

ڈاکٹر صاحب کچھ کھسیانے سے ہو کر بولے کہ اگر میں بائیبل کی ایک یا دو آیات کی تفسیر نہ کر سکوں تو کیا ہوا۔

(۵) ایک مرتبہ مذکورہ بالا آیات کے بارے میں ایک رومن کیتھولک پادری سے ٹیلیفون پر گفتگو ہوئی۔ انہوں نے فرمایا کہ میں بائیبل کی تفسیر کا ماہر ہوں مگر آپ میری بتائی ہوئی تفسیر کو تسلیم نہیں کرتے بلکہ اس پر جرح کرتے ہیں۔ لہذا اگر آپ اجازت دیں تو میں آپ سے بالمشافہ ملاقات کروں۔ میں نے عرض کی بہت اچھا، آجاویں۔ چنانچہ وہ آگئے اور کہنے لگے کہ حضرت یونس علیہ السلام اور ان کے تین رات دن مچھلی کے پیٹ میں رہنے کا واقعہ ایک افسانہ ہے۔ میں نے عرض کی، ہوگا مگر حضرت عیسے علیہ السلام جو اس افسانہ کا حوالہ دے کر پیشگوئی فرماتے ہیں وہ افسانہ نہیں تھا بلکہ حقیقت پر مبنی تھا۔ لہذا ثابت ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام صلیب کے واقعہ کے بعد تین رات دن قبر میں زندہ رہے۔ اور اس طرح سے یہ کہنا کہ آپ صلیب پہ مرکر زندہ ہوئے غلط ہے۔ میرا یہ جواب سُن کر وہ حیران ہو گئے اور بڑی دیر تک اسلام اور احمدیت کے متعلق معلومات

حاصل کرتے رہے۔ اس ملاقات کا فائدہ یہ ہوا کہ عیسائی طلبہ کو جو اسلام کے متعلق معلومات حاصل کرنا چاہتے میری طرف بھیج دیتے۔

(۶) ایک پادری صاحب جو ہماری مسجد کے قریب کھلے میدان میں ٹینٹ لگا کر بڑے جوش و خروش سے کئی دن تک عیسائیت پر وعظ کرتے رہے حضرت عیسٰی علیہ السلام کی یونس نبی سے تمثیل والی آیات کے بارے میں گفتگو ہوئی تو انہوں نے فرمایا کہ حضرت یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ میں مر کر زندہ ہوئے تھے۔ جب اُن سے حوالہ طلب کیا گیا تو انہوں نے وعدہ فرمایا کہ وہ حوالہ لیکر فلاں روز خود ہماری مسجد میں آئیں گے مگر وہ وقت مقررہ پر نہ آئے اور نہ ہی بعد میں معذرت کی۔

(۷) ایک مرتبہ میں اور ڈاکٹر عزیز احمد صاحب جو نہایت ہی مخلص پاکستانی احمدی ہیں سنسناٹی (اوہایو) میں ایک مذہبی کالج میں گئے۔ ایک نوجوان کی ہمارے ساتھ ڈیوٹی لگی۔ وہ نئے نئے بائیبل کے گریجوایٹ ہوئے تھے۔ یہ معلوم کرکے کہ ہم مسلمان ہیں کہنے لگے کہ میرے ایک دوست مصر کے رہنے والے ہیں وہ کہا کرتے ہیں کہ اسلام اور عیسائیت میں کچھ بڑا فرق نہیں۔ مگر میں کہتا ہوں بڑا فرق ہے مسلمان ہمارے بنیادی عقیدہ کو تسلیم نہیں کرتے کہ حضرت یسوع مسیح ہم گنہ گاروں کی خاطر صلیب پر مرے۔ میں نے استعجاب سے پوچھا کیا یہ سچ ہے کہ حضرت عیسٰے علیہ السلام صلیب پر مر گئے تھے؟ اس نوجوان نے جواب دیا ہاں یہ سچ ہے۔ میں نے کہا تو بیان کیجئے کہاں لکھا ہے۔ اس نے تمہید طولانی باندھی اور یسعیاہ نبی کی آیت ۵۳ کو پیش کرکے ثابت کرنا چاہا کہ یہ تو پہلے سے پیشگوئی تھی کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام گناہگاروں کی خاطر صلیب پر جان دیں گے۔ میں نے کہا اس آیت میں تو لکھا ہے:-

When thou shalt make his soul an offering for sin he shall see his seed, he shall prolong his days

نوٹ:- بعض انجیلوں میں اب thou کی جگہ "he" کا لفظ کر دیا گیا ہے۔

جس کا مطلب یہ بنتا ہے کہ جب تم (غلطی سے) یہ سمجھو گے کہ اس نے اپنی جان گناہ کی قربانی کے لئے دی تو حقیقت میں (وہ نہیں مریگا بلکہ شادی کرے گا اور) اپنی اولاد کو

دیکھے گا اور اس کی عمر دراز ہوگی۔

جب مَیں نے اس آیت کی اس طرح تفسیر کی تو اُس نے حیرت کے ساتھ کہا ہمیں بائیبل کسی نے اس طرح نہیں پڑھائی۔ اس موقع سے فائدہ اٹھا کر ہم نے اسے اسلام اور احمدیت کی تبلیغ کی۔

(۸) ایک دفعہ مَیں اور ڈاکٹر عزیز احمد صاحب کینٹاکی کی ریاست میں گئے۔ وہاں راہبوں کی ایک خانقاہ تھی۔ ہم رات کے نو بجے کے قریب خانقاہ میں پہنچے۔ رات مہمانخانہ میں رہے۔ ہماری کافی خاطر و مدارات کی گئی۔ راہبوں کو اجازت نہیں ہوتی کہ وہ گفتگو کریں مگر ان پر جو نگران مقرر ہوتے ہیں، ہوتے وہ بھی راہب ہی ہیں، لیکن انہیں گفتگو کرنے کی اجازت ہوتی ہے۔ یہ سب اچھے پڑھے لکھے لوگ ہوتے ہیں۔ ایک نگران سے جسکی ڈیوٹی ہمارے ساتھ لگی تھی میں نے پوچھا آپ کب سے راہب بنے ہوئے ہیں؟ انہوں نے فرمایا مَیں دراصل انجینئر تھا۔ آج سے پندرہ سال قبل مَیں نے ملازمت ترک کر کے راہبانہ زندگی اختیار کی اُسوقت سے مَیں اِسی خانقاہ میں ہوتا ہوں۔ مَیں نے عرض کی آپ سچ سچ بتائیں کہ پندرہ سال سے تارک الدنیا ہو کر جو آپنے عیسائیوں کے بتائے ہوئے طریق پر عبادت کی تو روحانی لحاظ سے آپ کو کچھ حاصل بھی ہُوا؟ تو اُن کی آنکھوں میں آنسو اُتر آئے اور بھرائی ہوئی آواز میں فرمانے لگے۔ جی کچھ حاصل نہیں ہوا۔ مَیں نے پوچھا تو کیا وجہ ہے؟ کہنے لگے شاید ہمارے آقا (Lord) ہم سے ناراض ہیں۔ مَیں نے کہا آپ درست کہتے ہیں آپ کے آقا یقیناً آپ سے ناراض ہیں کیونکہ آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو نہیں مانتے حالانکہ آپ کی کتابوں میں ان کی آمد کی پیشگوئیاں پائی جاتی ہیں۔ وہ ہمارے بیان کردہ دلائل کو بڑی توجہ سے سُنتے رہے۔ جب ہم رخصت ہونے لگے تو ہم نے اُن کے منتظمین کو قرآن شریف اور دیگر کتب سلسلہ خانقاہ کی لائبریری کے لئے دیں تو انجینئر راہب صاحب بڑی لجاجت سے درخواست کرنے لگے کہ آپ مجھے بھی قرآن شریف اور دوسری کتب پڑھنے کے لئے دیں۔ چنانچہ ہم نے ایسا ہی کیا۔

واقعات تو بہت ہیں فی الحال انہیں پر اکتفاء کیا جاتا ہے +

سلامتی اور امن کا مذہب — اسلام

(محترم مولانا محمد صادق صاحب سابق مبلغ سماٹرا)

۱۹۳۵ء کی بات ہے میں سماٹرا کے مشہور شہر میدان میں تھا۔ وہاں ہمارے ایک نوجوان امیر یوسف (مرحوم) مسہریوں کی تجارت کرتے تھے انہوں نے مجھے اطلاع دی کہ تین عیسائی میرے پاس آئے اور انہوں نے مجھے عیسائیت کی تبلیغ کی۔ میں نے ان سے پوچھا تھا کہ کیا آپ مزید گفتگو کے لئے تیار ہیں تو انہوں نے کہا کیوں نہیں جب بھی آپ چاہیں ہم آسکتے ہیں۔

پھر عزیز امیر یوسف نے مجھے کہا کہ آپ کوئی دن مقرر کرلیں تاکہ انہیں بلایا جائے اور ان سے عیسائیت اور اسلام کے متعلق تبادلۂ خیالات کیا جا سکے۔

میں نے اس عزیز کو جواب دیا کہ اتوار کا دن ٹھیک رہے گا۔ چنانچہ اتوار کو میں ان کی دکان پر پہنچ گیا۔ اس کے بعد ایڈونٹسٹ فرقہ کے تین نوجوان (جن میں سے ایک کا نام فاروق تھا اور وہ اسلام سے مرتد ہو کر عیسائی بنا تھا مع اپنے دو دوستوں کے) وہاں پہنچ گئے۔ تبادلۂ خیالات کے لئے جو موضوع مقرر ہوا وہ یہ تھا کہ سلامتی اور امن کے نشانات کا حامل کونسا مذہب ہے۔ عیسائیت یا اسلام؟ اور اس کے لئے فریقین نے باری مقرر کرلی اور دس دس منٹ کا وقت مقرر ہوا۔

اپنی پہلی باری میں عیسائی دوستوں نے بیان کیا کہ چونکہ تمام بنی آدم گنہگار تھے اور اللہ کے عدل کا تقاضا تھا کہ ضرور انہیں سزا دے لیکن وہ رحیم و کریم بھی تھا اس لئے اس نے بنی آدم کو گناہ کی سزا سے بچانے کے لئے اپنے بے گناہ بیٹے کو اُن کے گناہوں کی سزا دی۔ وہ خوشی سے اس کے لئے تیار ہوا اور بنی آدم کے لئے صلیب پر لٹکایا گیا حتّٰی کہ اُس نے جان دے دی عیسائیت کے لئے یہ سلامتی اور امن کا زندہ نشان ہے۔ ایسا سلامتی اور امن کا کوئی زندہ نشان نہ اسلام میں پایا جاتا ہے نہ کسی دوسرے مذہب میں۔

میں نے کہا کہ آپ کے بیان میں صرف دعویٰ ہی دعویٰ ہے لیکن ان میں سے کسی ایک کی آپ نے کوئی دلیل نہیں دی۔ دلیل کیا دیتے یہ تمام دعوے خود آپ کی بائیبل کے خلاف ہیں۔

(۱) یہ کہنا کہ تمام بنی آدم گنہگار تھے بائیبل کے خلاف ہے کیونکہ بائیبل کے مطابق بنی آدم کی دو قسمیں ہیں۔ ایک بے گناہ (معصوم) اور پاک اور دوسرے گنہگار اور بُرے۔

دیکھئے لکھا ہے "پاک نبی" (لوقا باب ۱ آیت ۱۰)
(۲- پطرس باب ۱ آیت ۲۱) پھر یوحنا کو
پاک قرار دیا گیا ہے (مرقس باب ۶ آیت ۲۰)
دانیال کو بے گناہ ٹھہرایا گیا ہے (کتاب
دانیال باب ۶ آیت ۲۲) وغیرہ۔ مزید وضاحت
کے لئے دیکھئے متی باب ۵ آیت ۴۵۔

(۲) یہ کہنا کہ عدل کا تقاضا تھا کہ وہ انہیں ان
کے گناہ کی سزا ضرور دے یہ بھی غلط ہے۔
عدل کے معنی ہیں کہ کسی کا حق نہ مارے۔ ناحق
کسی کو سزا نہ دے یا گناہ کی جتنی سزا ہے
اُس سے زیادہ نہ دے لیکن اگر وہ کسی کو
معاف کر دے تو یہ عدل کے خلاف نہیں۔
یسوع نے تعلیم دی ہے کہ گنہگاروں کے
گناہ معاف کرتے رہا کرو (متی باب ۱۸
آیت ۲۱-۲۲) کیا یہ عدل کے خلاف
تعلیم ہے؟

(۳) یہ کہنا کہ وہ رحیم و کریم ہے اس لئے اُس
نے بنی آدم کو گناہ کی سزا سے بچانے کیلئے
اپنے بے گناہ بیٹے کو ان کے گناہوں کی سزا
دی میرے نزدیک بالکل خلاف عقل ہے۔
کیونکہ جو اپنے بے گناہ بیٹے پر رحم نہیں
کرتا وہ دوسروں پر کیسے رحم کرتا ہوگا۔
پھر اس کا عدل کہاں گیا کہ گنہگار کو تو چھوڑ
دیتا ہے اور بے گناہ کو گنہگار ٹھہرا کر اسے
سزا دیتا ہے حالانکہ بائیبل کہتی ہے کہ "گنہگار خود ہی اپنے گناہوں کی سزا پاتا
ہے" دیکھئے (حزقیل باب ۱۸ آیت ۲۰ تا
۳۰، یرمیاہ باب ۳۱ آیت ۲۹-۳۰،
استثناء باب ۲۴ آیت ۱۶، روم باب ۲
آیت ۶ وغیرہ)۔

(۴) پھر یہ کہنا کہ یسوع خدا کا بیٹا، نیک اور
معصوم ہے یہ خود یسوع کے قول کے
خلاف ہے۔ (دیکھو متی باب ۱۹ آیت ۱۷،
مرقس باب ۱۰ آیت ۱۷)

پھر اصل گنہگار تو آپ عیسائی حضرات
کے کہنے کے مطابق حوا تھی جس نے حضرت
آدمؑ کو شجرہ ممنوعہ کھانے کی تحریک کی۔
اس کی بیٹی مریم کے پیٹ سے ہی یسوع
کا جنم ہوا تو یقیناً وہ بھی موروثی گناہ
کے وارث ہوئے۔ بائیبل کہتی ہے یسوع
مریم کے پیٹ سے ہی پیدا ہوا (متی باب ۱
آیت ۲۵) اور شریعت کے ماتحت ہوا
(گلاتیوں باب ۴ آیت ۴) اور گنہگار انسان
کے روپ میں پیدا ہوا (روم باب ۸،
آیت ۳)۔ پھر لکھا ہے کہ جو عورت سے
پیدا ہوا وہ کیسے پاک ہو سکتا ہے (ایوب
باب ۱۵- آیت ۱۴)

(۵) پھر یہ کہنا کہ یسوع خوشی سے بنی آدم کے
گناہوں کی سزا قبول کرنے کے لئے تیار تھا
یہ بھی غلط ہے کیونکہ انجیل سے ثابت ہے

کہ وہ دعائیں کرتا رہا کہ یہ پیالہ اُسے نہ پینا پڑے۔ (متی باب ۲۶- آیت ۳۹، لوقا باب ۲۲- آیت ۴۴)

(۳) پھر یہ بھی مشتبہ امر ہے کہ اس نے صلیب پر جان دے دی کیونکہ وہ صرف دو تین گھنٹے تک صلیب پر لٹکا رہا۔ عصر کے وقت آندھی اور طوفان آجانے کی وجہ سے اسے جلدی اُتار لیا گیا کیونکہ یہ سردی کا موسم، جمعہ کا دن تھا اور سورج غروب ہونے پر سبت کا دن شروع ہو رہا تھا (متی باب ۲۷- آیت ۴۵، مرقس باب ۱۵- آیت ۴۲) اس لئے اس کو جلدی سے اُتار لیا گیا۔ پھر یسوع کے پہلو میں جب ایک سپاہی نے بھالا مارا تو خون اور پانی بہہ نکلا جو واضح دلیل ہے اس بات کی کہ وہ ابھی مرا نہیں تھا۔ (یوحنا باب ۱۹ آیت ۳۴) ورنہ خون نہ نکلتا۔

پس آپ کی تمام باتیں عقل اور بائیبل کے خلاف ہیں اور صرف دعویٰ ہی دعویٰ ہیں۔ پھر وہ جو یہودیوں کے ہاتھوں آپ کے خیال کے مطابق جان سے مار دیا گیا وہ سلامتی اور امن کا نشان کیسے ٹھہر سکتا ہے؟ میری یہ باتیں سن کر وہ بہت پریشان ہوئے۔

اس کے بعد میں نے اپنی باری میں بیان کیا کہ اسلام میں سلامتی اور امن کے نشان ہاں زندہ نشان موجود تھے۔ اب بھی موجود ہیں اور آئندہ بھی موجود رہیں گے۔

(۱) ہمارا خدا السّلام ہے۔ جو نہ کمزور ہوتا ہے نہ بیمار ہوتا ہے اور نہ مرتا ہے اور اسے کسی چیز کی احتیاج نہیں بلکہ سب مخلوق اس کی محتاج ہے۔ الصّمد ہے۔ مگر یسوع جسے آپ "خود خدا" مانتے ہیں اس کا حال آپ نے بیان کر ہی دیا ہے۔

(۲) اسلام کو خدا تعالیٰ کی طرف سے قرآن مجید کی شکل میں ہمارے سامنے پیش کیا گیا۔ قرآن مجید کے متعلق خدا تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (الحجر) کہ ہم نے ہی قرآن مجید کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کریں گے۔ جس طرح پہلے پہل یہ کتاب کی شکل میں پیش ہوا اسی شکل میں اب تک محفوظ چلا آتا ہے اور محفوظ ہی چلا جائیگا۔ کیا عجیب زندہ نشان ہے سلامتی کا۔

بائیبل کو بخت نصر نے جلا کر راکھ کر دیا۔ پھر طیطوس رومی نے بھی اسے جلایا۔ خدا جانے پھر کیسے جمع کی گئی اور اس میں کیا کچھ تغیّر و تبدّل ہوا اور خود عیسائی اب تک بائیبل کا پیچھا نہیں چھوڑتے۔ کیتھولک کی بائیبل چھ سات ایسی کتب پر مشتمل ہے جو دوسری بائیبلوں میں نہیں

پائی جاتی ہیں وغیرہ۔ اور نہ ہی دوسرے عیسائی اسے بائیبل کا حصہ تسلیم کرتے ہیں۔

(۳) پھر یہ مذہب (اسلام) نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا گیا اور آپؐ کی ذات کے متعلق خدا تعالیٰ نے وعدہ فرمایا تھا۔ وَاللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ کہ تمہیں اللہ اپنی حفاظت میں رکھے گا۔ چنانچہ باوجود اس کے کہ نبی کریم صلی اللہ کئی جنگوں میں شریک ہوئے۔ آپؐ کو دشمن قتل نہ کر سکے حالانکہ آپؐ کے زمانہ میں ملک عرب میں کوئی حکومت نہ تھی جو آپؐ کی مدد کرتی۔

مگر حضرت یسوع کے زمانہ میں رومی حکومت تھی جو یہودیوں کو روکنے کی کوشش کرتی رہتی۔ آپ پر دعوے کئے گئے ہیں میں یسوع کو بظاہر بری بھی کر دیا گیا مگر بقول آپ لوگوں کے یسوع کی جان پھر بھی نہ بچ سکی اور آپ کے کہنے کے مطابق وہ صلیب پر چڑھتا چلاتا اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھا۔

(۴) بائیبل یروشلم اور اس کے ماحول میں ہی اتری اور بخت نصر اور طیطوس نے جس طرح اسے تباہ و برباد کیا وہ بھی تاریخ میں اب تک موجود ہے لیکن مکہ اور مدینہ جہاں قرآن مجید کا نزول ہوا اب تک غیر قوموں سے محفوظ چلا آرہا ہے اور اس کے متعلق پیشگوئی موجود ہے کہ آئندہ بھی وہ دجالی قوموں کے تسلط سے محفوظ رہے گا۔

(۵) پھر قرآن مجید کی معنوی حفاظت کے لئے بھی اللہ تعالیٰ نے سامان کیا ہوا ہے' وہ یوں کہ اِنَّ اللّٰہَ یَبْعَثُ لِھٰذِہِ الْاُمَّۃِ عَلٰی رَأْسِ کُلِّ مِائَۃِ سَنَۃٍ مَنْ یُّجَدِّدُ لَھَا دِیْنَھَا (ابوداؤد) کہ اللہ تعالیٰ ہر صدی کے سر پر ایک شخص مبعوث کیا کریگا جو اس امت کے لئے دین اسلام کو تازہ کیا کریگا۔ چنانچہ اس زمانہ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود (میرزا غلام احمد) علیہ السلام کو بھیجا جنہوں نے دلائل اور خدا تعالیٰ کے تازہ نشانات اور معجزات کے ذریعہ دنیا کے تمام ادیان پر اسلام کے غلبہ کو ثابت کر دکھایا اور فرمایا کہ اسلام زندہ مذہب ہے' اس کا خدا زندہ خدا ہے' اس کا رسول (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) زندہ رسول ہے اور اس کی کتاب (قرآن مجید) زندہ کتاب ہے اور یہ امور اس بات کے زندہ گواہ ہیں کہ دنیوی اور اخروی سلامتی صرف اور صرف اسلام سے وابستہ ہے۔

میرے یہ دلائل سن کر وہ مبہوت رہ گئے۔ ان میں سے ایک تو اب مر چکا ہے اور فاروق اور اسکے دوسرے ساتھی کے متعلق مجھے معلوم ہوا ہے کہ وہ عیسائیت کو چھوڑ چکے ہیں۔

پس اسلام میں سلامتی اور امن کے زندہ نشان موجود ہیں۔ اے کاش! کہ عیسائی دوست غور کریں اور پھر اسلام کے دامن سے وابستہ ہو جائیں＊

کفّارہ

(نتیجۂ فکر جناب آفتاب احمد بسمل کراچی)

اِک دن ہوئی اِک پادری صاحب سے ملاقات
آدم سے ہوئی بھول بھی حوّا کی بدولت

کفّارہ کے موضوع پہ چل نکلی ذرا بات
اس بھول میں حوّا کا یقیناً ہے بڑا ہات

کہنے لگے "آدم تھے خطاکار اسی باعث
ثابت ہوا آدم تو خطاکار نہیں تھے

ورثے میں گناہ مل گیا از بہر مکافات
حوّا نے مگر کھائی تھی شیطان سے کچھ مات

مصلوب خدا وند ہوئے ہم کو بچانے
جو حوّا کی بیٹی سے ہوبن باپ کے پیدا

دنیا کی منجی ہے یسوع ناصری کی ذات"
"ورثہ کا گناہ" اس میں تو پھر ہوگا بدرجات

مَیں نے کہا "عقدہ یہ سمجھ میں نہیں آتا
کس طرح گناہ اس نے پھر اوروں کے اُٹھائے

ہے آپ کا کفّارہ عجب ایک طلسمات
سمجھا دیں مجھے آپ خدارا یہ ذرا بات"

مجرم ہو کوئی اور سزا دوسرا پائے
جب بن نہ سکا اُن سے جواب اس کا تو بولے

خود آپ بتائیں کہ یہ انصاف کی ہے بات؟
"دراصل خداوند کی ہے یہ بھی کرامات"

ورثہ کے گناہ کا یہ عقیدہ ہی غلط ہے
مَیں نے کہا "کچھ اور نشاں ان کے بتائیں

آدم تھے خطاکار یہ ہے محض خرافات
معلوم ہوں تا اُن کے ہمیں اور کمالات"

بالفرض گر آدم سے کوئی بھول ہوئی تھی
کہنے لگے "مُردوں کو یسوع نے کیا زندہ

اولاد میں آتے نہیں اس کے اثرات
بینا کیا اندھوں کو یہ تھے انکے نشانات"

مَیں نے کہا " فرمانا بجا آپ کا لیکن
پس جبکہ صلیب ان کی نہیں موت کا باعث

خود حضرت عیسیٰؑ نے کہی اَور ہی تھی بات
کفّارہ ہے مجموعۂ پارینہ روایات

ان کا تو یہ کہنا تھا کہ اِس دَور کے بدکار
اب مختصراً آپ کو مَیں یہ بھی بتا دوں

مجھ سے جو طلب کرتے ہیں اعجاز و نشانات
کیا حضرت عیسیٰؑ کے رہے بعد میں حالات

یونسؑ کا نشان ان کو فقط مجھ سے ملیگا
زخم اُن کے ہوئے مرہم عیسیٰؑ سے جب اچھے

میرے بھی وہی ہونگے جو یونسؑ کے تھے حالات
گذرے تھے ابھی زیرِ زمیں تین ہی دن رات

یونسؑ تو رہے زندہ ہی مچھلی کے شکم میں
شاگردوں کے ہمراہ پناہ گاہ سے نکلے

عیسیٰؑ بھی رہیں زیرِ زمیں زندہ تو ہے بات
ہجرت کی غرض سے وہ چلے حسبِ ہدایات

مصلوب مگر ہو کے اگر مرتے ہیں عیسیٰؑ
مقصود یہ تھا گمشدہ بھیڑوں کو وہ ڈھونڈیں

یکساں نہیں ہوسکتے ہیں پھر دونو کے حالات
پہنچائیں پیام اپنا انہیں دے کے بشارات

یکساں جبھی ہوتے ہیں کہ عیسیٰؑ رہیں زندہ
اِس واسطے کشمیر چلے آئے تھے عیسیٰؑ

یونسؑ کی طرح قوم میں ان کی بھی ہوا وفات
تاریخی حقائق ہیں یہ از قسم بدیہات

جب اپنی رسالت کے مقاصد کو وہ پا لیا
حق اپنی رسالت کا ادا کر چکے جب وہ

اُس وقت وفات اُنکو ملے جب ہے کرامات
دی حق نے وفات ان کو برفعِ درجات

حق یہ ہے کہ سب کچھ ہے یہ تاریخ سے ثابت
مدفون سرینگر میں ہیں حضرت عیسیٰؑ

گو آپ نہ تسلیم کریں۔ یہ ہے الگ بات
ثابت ہوا کفّارہ ہے محض ایک خرافات

تفصیل سے جب مَیں نے بیان کر دی حقیقت
اب بھی یہ عقیدہ جو رکھیں آپ تو ہیہات

خدا ترس عیسائیوں سے اپیل

پادری عبد الحق صاحب کو صحیح طریق پر مقابلہ کیلئے آمادہ کریں

پادری صاحب کے نام ہمارا آخری خط

مذہب اور عقائد کا معاملہ انسان اور اسکے خدا کے درمیان ہے۔ تبلیغی مذاہب اپنے عقائد کو بدلائل بیان کر کے اپنے مذہب کی سچائی کو ثابت کرتے ہیں تاکہ لوگ ان عقائد کی حقانیت پر ایمان لا کر راہِ نجات کو معلوم کر لیں۔

اسلام اور موجودہ عیسائیت میں چند بنیادی عقائد کا اختلاف ہے۔ تصفیہ کی راہ یہ ہے کہ فریقین کے مذہبی نمائندے خدا ترسی سے کام لے کر اپنے اپنے دلائل کو اور ایسا ہی فریقِ مخالف کے دلائل پر اپنے اپنے انتقادات کو مہذبانہ پیرایہ میں ایک دوسرے کے سامنے پیش کریں۔ یہ تبادلۂ خیالات تحریری ہو تو پائدار اور محفوظ ہوتا ہے اور زیادہ لوگوں تک پہنچ سکتا ہے۔

ہم یقین رکھتے ہیں کہ پادری صاحبان اپنے غلط عقائد کی وجہ سے راہِ حق سے بھٹک گئے ہیں، پادری صاحبان بھی ہمارے متعلق ایسے ہی خیالات کا اظہار کرتے ہیں۔

چند سال کا عرصہ گزرا کہ عیسائیت کے نمائندہ پادری عبد الحق صاحب نے ہمارے ساتھ الوہیتِ مسیح کے بارے میں تحریری مناظرہ کرنا منظور کر لیا تھا مگر پادری صاحب شرائط کے مطابق مناظرہ مکمل کرنے کی بجائے دوسرے پرچہ پر ہی دل ہار گئے اور آئندہ سلسلہ جاری رکھنے سے صاف انکار کر دیا۔ ہم نے اس موضوع پر فریقین کے دو دو پرچے ہی "تحریری مناظرہ" کے عنوان سے طبع کرا دیئے۔ اس اشاعت سے پادری صاحب موصوف اپنے لوگوں کی نظروں میں بھی فردِ قرار ہو گئے۔ لوگوں کے بار بار کہنے پر انہوں نے پچھلے دنوں پھر کچھ آمادگی کا اظہار کیا جس پر ہم نے اعلان کر دیا:۔

"ہمارے نزدیک بحث لازماً تحریری ہوگی اور تہذیب سے ہوگی۔ دلائل الہامی کتابوں سے بہ پیرایۂ معقولیت ہونگے۔ غلط مبحث کرنے کی ہرگز اجازت نہ ہوگی۔ اگر یہ صورت پادری صاحب کو منظور ہے تو آج بھی تصفیہ ہو سکتا ہے۔ ہماری طرف سے علی الترتیب مندرجہ ذیل مضامین مقرر ہیں (۱) مسیح بن مریم صرف رسول ہیں (ابن اللہ نہیں) (۲) مسیح صلیب پر سے زندہ اُترے تھے (۳) موجودہ عیسائیت عالمگیر اور زندہ مذہب نہیں (۴) مسیح کی آمدِ ثانی محض روحانی اور معنوی ہے۔ جتنے مضامین پادری صاحب منتخب کرنا چاہیں انکے عنوان لکھ دیں، بات طے ہو جائیگی۔" (الفرقان جولائی اگست ۱۹۶۷ء صفحہ ۱)

پادری عبد الحق صاحب نے اسکے جواب میں اپنی چٹھی مورخہ

۱۰ نومبر ۱۹۷۲ء میں ہمیں لکھا کہ "ہمیں یہ چاروں مضامین منظور ہیں اسکے مقابل ہماری طرف سے چار مضامین یہ ہیں (۱) احمدی عقیدۂ توحید (۲) مسیحیت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی (۳) احمدی عقیدۂ نجات (۴) احمدی اسلام عالمگیر دین کامل اور منجانب اللہ نہیں ہو سکتا۔"

ہم نے تمام عناوین بخوشی منظور کر کے تحریری مناظرہ کے لئے پورا زور لگایا ہے مگر پادری صاحب چند ڈی گڑھ (بھارت) میں بیٹھے ہوئے خاموشی اختیار کر لیتے ہیں اور کبھی کبھار عیسائیوں کے کہنے سننے سے غیر متعلقہ امور پر چٹھی لکھ دیتے ہیں۔ اس سلسلہ میں مؤرخہ ۲۲ را پریل ۱۹۷۳ء کو ہم نے جو آخری خط پادری صاحب کو رجسٹری بھیجا ہے اس کا آج تک جواب موصول نہیں ہوا۔ ہم یہ چٹھی احباب کے ملاحظہ کے لئے شائع کرتے ہیں وہ یہ ہے :-

"پادری عبدالحق صاحب! السلام علی من اتبع الہدیٰ

آپ کی چٹھی مؤرخہ یکم اپریل موصول ہوئی۔ معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے غصہ کی حالت میں یہ چٹھی لکھدی ہے اور آپ نے میرے مفصل مکتوب مؤرخہ ۲۵/۳ پر بالکل غور نہیں فرمایا اسلئے مجھے آپکی اس چٹھی کے جواب میں مزید کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ آپ جب میرے خط کو ٹھنڈے دل سے پڑھیں گے تو اس میں مکمل جواب آپکو مل جائے گا۔

خلاصہ یہ ہے کہ جو مضامین فریقین تحریری طور پر منظور کر چکے ہیں ان سب پر اسی ترتیب سے مناظرہ ہوگا۔ اب اس منظوری کے بعد اس میں رد و بدل کرنے کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ نیز مضامین میں کسی قسم کا خلط کرنے کی بھی اجازت نہیں دی جا سکتی۔ آپکا زعم تھا کہ شائد احمدی مناظر آپکے مطلوبہ عنوان "احمدی عقیدۂ توحید" پر مناظرہ منظور نہ کریگا مگر ہم نے اسے بھی منظور کر لیا اور ہم اس بات کے لئے بھی رضامند ہیں کہ سب مقررہ مضامین میں سے اس عنوان پر سب سے پہلے تحریری مناظرہ ہو جائے اور اس کے بعد ہمارے پیشکردہ مضامین میں سے پہلے عنوان "مسیح بن مریم صرف رسول ہیں (ابن اللہ نہیں)" پر تحریری مناظرہ ہوگا۔

اگر آپ اپنے منظور کردہ عناوین پر منظور کردہ ترتیب کے مطابق مناظرہ نہیں کر سکتے تو صاف اقرار کریں ہم آپ کو اِدھر اُدھر جانے کی اجازت نہیں دے سکتے نہ ہی خلط بحث کی اجازت ہوگی۔ یہ سوال کہ مسیح توحید کے قائل ہیں یا تثلیث کے؟ اس کا تعلق "احمدی عقیدۂ توحید" سے قطعاً نہیں ہے اسلئے اس قسم کے خلط کا جواز نہیں ہے۔ آپ اگر مسیح کو ابن اللہ نہیں مانتے اور "ثالوث مقدس" کے قائل نہیں ہیں تو آپ اس کا اعتراف ہمارے مضمون "مسیح بن مریم صرف رسول ہیں (ابن اللہ نہیں)" کے ضمن میں کر سکتے ہیں۔

قصہ مختصر یہ ہے کہ آپ کو مقررہ مضامین پر مقررہ عناوین کے ماتحت مقررہ ترتیب سے مناظرہ کرنا پڑیگا اور کسی قسم کے خلط مبحث کے بغیر کرنا پڑیگا۔ اگر آپ اس کیلئے تیار ہیں تو لکھیں تا مناظرہ شروع ہو سکے اور اگر آپ اس کے لئے تیار نہیں ہیں جیسا کہ آپکے انداز سے مترشح ہو رہا ہے تو صاف کہدیں۔ بے فائدہ اور بے مقصد خط و کتابت میں وقت ضائع کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ وما علینا الّا البلاغ المبین۔

خاکسار ابوالعطاء جالندھری ایڈیٹر الفرقان ربوہ پاکستان"

کیا ہم امید رکھیں کہ خدا ترس پادری صاحبان پادری عبدالحق صاحب کو صحیح راستہ اختیار کرنے پر آمادہ کر سکیں گے؟ ◆

حضرت سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئیاں بائبل میں

(از صفحہ ...)

اور یہ ہوگا کہ جو شخص اس نبی کی نہ سُنے گا وہ امّت سے نیست و نابود کر دیا جائیگا۔" (اعمال ۳/۱۹-۲۲)

اس حوالہ سے ثابت ہے کہ مسیح کے اٹھائے جانے تک مثیل موسیٰ نبی والی پیشگوئی پوری نہ ہوئی تھی اور مسیح کی آمدِ ثانی سے پہلے اس کا ظہور لازمی ہے۔

پادری۔ یہ تو بہت واضح بات ہے۔ ہمیں کیا ضرورت ہے کہ اس بات پر اصرار کریں کہ مثیلِ موسیٰ نبی کی پیشگوئی کے مصداق ہمارے یسوع مسیح ہیں۔

احمدی۔ نہیں جناب! آپ کو یہ تسلیم کرنا چاہیئے کہ مثیل موسیٰ نبی والی پیشگوئی حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر چسپاں ہوتی ہے۔ دیکھئے اسی کتاب استثناء میں آگے مذکور ہے:۔

"یہ وہ برکت ہے جو موسیٰ مردِ خدا نے اپنے مرنے سے آگے بنی اسرائیل کو بخشی اور اس نے کہا کہ خداوند سینا سے آیا اور شعیر سے ان پر طلوع ہُوا۔ فاران ہی کے پہاڑ سے وہ جلوہ گر ہُوا۔ دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ آیا اور اس کے داہنے ہاتھ ایک آتشی شریعت ان کے لئے تھی۔ ہاں وہ اس قوم سے بڑی محبّت رکھتا ہے۔ اس کے سارے مقدس تیرے ہاتھ میں ہیں اور وہ تیرے قدموں کے نزدیک بیٹھے ہیں اور تیری باتوں کو مانیں گے۔"

(استثناء ۳۳/۲-۳)

پادری۔ یہ بھی صاف بات ہے میں اس پر غور کروں گا۔ کیا بائبل میں آپ کے پیغمبر صاحب کے لئے اور بھی کوئی پیشگوئی ہے؟

احمدی۔ زبور میں بھی ہمارے نبی کی بعثت کا ذکر موجود ہے۔ لکھا ہے:۔

"مبارک وہ ہیں جو تیرے گھر میں بستے ہیں۔ وہ سدا تیری ستائش کریں گے۔ سلاہ۔ مبارک وہ انسان جس کی قوت تجھ سے ہے۔ ان کے دل میں تیری راہیں ہیں۔ وہ بکّہ کی وادی میں گزر کرتے ہوئے اسے ایک کنواں بناتے۔ پہلی برسات اسے برکت سے ڈھانپ لیتی۔ وہ قوت سے قوت تک ترقی کرتے چلے جاتے ہیں یہاں تک کہ خدا کے آگے صیہون میں حاضر ہوتے ہیں۔" (زبور ۸۴/۴-۷)

مکّہ کی وادی ہی کو بکّہ کی وادی کہتے ہیں۔ اسی میں بیت اللہ کے بنانے اور حمدِ الٰہی کرنے کا ذکر ہے اور چاہِ زمزم کے کنوئیں کی طرف بھی اشارہ موجود ہے۔

پادری۔ اگر پیشگوئیوں میں استعارات کو تسلیم کر لیا جائے تو یہ پیشگوئی بھی کچھ نہ کچھ آپ کے حق میں جاتی ہے۔

احمدی۔ پیشگوئیوں میں استعارہ کا پہلو تو ضرور ہوتا ہے۔ مجھے آپ سے مناظرہ کی طرح ڈالنا مقصود نہیں بلکہ کتابِ مقدس کے اس بابرکت پہلو کی طرف توجہ دلانا مقصود ہے کہ اس میں سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر موجود ہے۔ اسلئے آپ آگے

چلتے ہیں۔ زبور میں لکھا ہے:۔

"آؤ! خداوند کے لئے ایک نیا گیت
گاؤ۔ خداوند کے لئے گا اے ساری زمین!
خداوند کے لئے گاؤ اور اسی کے نام کو مبارک
کہو۔ روز بروز اس کی نجات کی بشارت دو۔
امتوں کے درمیان اس کے جلال کو اور ساری
قوموں کے بیچ اس کی عجائب قدرتوں کو
بیان کرو۔" (زبور ۹۶/۱-۳)

دیکھئے اس میں اسرائیلی شریعت کے بعد ایک نئے گیت کی خوشخبری ہے جو ساری زمین اور ساری قوموں کے لئے ہے یعنی عالمگیر شریعت ہے اور یہ بات صرف قرآن مجید پر صادق آتی ہے۔

پادری۔ یہ بات تو ابھی متنازع فیہ ہے کہ آیا قرآن مجید واقعی منجانب اللہ ہے یا نہیں۔ آپ اس آیت کو ابھی سے قرآن پر چسپاں نہ کریں اور کوئی پیشگوئی بیان کریں۔

احمدی۔ آیئے آپ کو بائیبل کا ایک اور اشارہ سنائیں۔ لکھا ہے:۔

"میرا محبوب سرخ و سفید ہے۔ دس
ہزار آدمیوں کے درمیان وہ جھنڈے کی
طرح کھڑا ہوتا ہے ... وہ خوبی میں
رشک سرو ہے۔ اس کا منہ شیرینی ہے۔
ہاں وہ سراپا عشق انگیز ہے۔ اے
یروشلم کی بیٹیو! یہ میرا پیارا یہ میرا جانی
ہے۔" (غزل الغزلات ۵/۱۰-۱۶)

جس لفظ کا ترجمہ "سراپا عشق انگیز" کیا گیا ہے وہ عبرانی بائیبل میں **محمدیم** ہے۔ گویا آنیوالے محبوب کا حلیہ، اس کے دس ہزار قدوسیوں کا تذکرہ اور اشارۃً اس کے نام کا بیان بھی موجود ہے۔

پادری۔ یہ سب تو استعاروں کی باتیں ہیں ان کی تو کئی تاویلیں ہو سکتی ہیں۔

احمدی۔ تاویلیں ہو سکتی ہوں گی مگر خدا ترسی سے کام لیا جائے تو حقیقی مصداق کا پہچاننا کچھ دشوار نہیں۔ لیجئے ایک اور صاف خبر موجود ہے لکھا ہے:۔

"عرب کی بابت الہامی کلام۔ عرب
کے صحرا میں تم رات کاٹو گے اے ددانیوں
کے قافلو! پانی لے کے پیاسے کا استقبال
کرنے آؤ۔ اے تیما کی سرزمین کے باشندو!
روٹی لے کے بھاگنے والے کے ملنے کو نکلو۔
کیونکہ وہ تلواروں کے سامنے سے ننگی
تلوار سے اور کھینچی ہوئی کمان سے اور
جنگ کی شدت سے بھاگے ہیں کیونکہ خداوند
نے مجھ کو یوں فرمایا۔ ہنوز ایک برس ہاں
مزدور کے سے ایک ٹھیک برس میں قیدار
کی ساری حشمت جاتی رہے گی اور تیراندازوں
کے جو باقی رہے قیدار کے بہادر گھٹ
جائیں گے۔" (یسعیاہ ۲۱/۱۳-۱۷)

ذرا غور سے سوچئے کیا یہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے واقعہ کا صاف ذکر نہیں اور اس کے ایک سال بعد غزوہ بدر کے موقعہ پر حشمت قیدار

کے زائل ہوجانے کا ذکر نہیں؟ قیدار حضرت اسمٰعیلؑ کے ایک بیٹے کا نام ہے۔" (پیدائش ۲۵/۱۳)

پادری۔ یہ تو بڑی واضح پیشگوئی ہے۔ اس میں تو عرب کا نام بھی ہے۔ قیدار بن اسمٰعیل کا ذکر بھی ہے یہ پیشگوئی قابلِ غور ہے۔

احمدی۔ اس سلسلہ میں مزید قابلِ غور یسعیاہ نبی کی یہ وحی بھی ہے:۔" دیکھو میرا بندہ جسے میں سنبھالتا۔ میرا برگزیدہ جس سے میرا جی راضی ہے۔ میں نے اپنی روح اس پر رکھی وہ قوموں کے درمیان عدالت جاری کرائے گا۔ بحری ممالک اس کی شریعت کی راہ تکیں گے... یہوواہ میں ہوں۔ یہ میرا نام ہے اور اپنی شوکت دوسرے کو نہ دونگا اور وہ ستائش جو میرے لئے ہوتی کھودی ہوئی مورتوں کے لئے نہ ہونے دوں گا۔ دیکھو تو سابق پیشگوئیاں بر آئیں اور میں نئی باتیں بتلاتا ہوں اس سے پیشتر کہ واقع ہوں میں تم سے بیان کرتا ہوں۔ خداوند کے لئے ایک نیا گیت گاؤ۔ اے تم جو سمندر پر گزرتے ہو اور تم جو اس میں بستے ہو۔ اے بحری ممالک اور ان کے باشندو! تم زمین پر سرتاسر اسی کی ستائش کرو۔ بیابان اور اس کی بستیاں۔ قیدار کے آباد دیہات اپنی آواز بلند کریں گے۔ سلعؔ کے بسنے والے ایک گیت گائیں گے۔ پہاڑوں کی چوٹیوں پر سے للکاریں گے۔ وہ خداوند کا جلال ظاہر کریں گے اور بحری ممالک میں اس کی ثناخوانی ہوگی۔ خداوند ایک بہادر کی مانند نکلے گا۔ وہ جنگی مرد کی مانند اپنی غیرت کو اسکائیگا۔ وہ چلائیگا ہاں وہ جنگ کے لئے بلائے گا۔ وہ اپنے دشمنوں پر بہادری کریگا۔" (یسعیاہ ۴۲/۱-۱۳)

پادری۔ یہ تو بڑی دلچسپ پیشگوئیاں ہیں۔ ہم نے تو حقیقتاً آپ کے نقطۂ نظر سے ان پر غور ہی نہیں کیا۔

احمدی۔ آگے لکھا ہے:۔" تم اگلی چیزوں کو یاد نہ کرو اور قدیم باتوں کو سوچتے نہ رہو۔ دیکھو میں ایک نئی چیز کروں گا۔ اب وہ نمود ہوگی کیا تم اس پر ملاحظہ نہ کروگے ہاں میں بیابان میں ایک راہ اور صحرا میں ندیاں بناؤں گا۔ دشت کے بہائم گیدڑ، شترمرغ میری تعظیم کریں گے کیونکہ میں بیابان میں پانی اور صحرا میں ندیاں موجود کردوں گا کہ وہ میرے لوگوں کے میرے برگزیدوں کے پینے کے لئے ہوجائیں۔" (یسعیاہ ۴۳/۱۸-۲۰)

ان پیش خبریوں میں نئے گیت سے مراد قرآن مجید ہے اور نئی چیز اسلام کا ظہور ہے خطۂ عرب میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے توحید پھیلانے اور وحشیوں کو انسان بنانے کا تذکرہ ہے۔

پادری۔ میں سمجھتا ہوں کہ آپکی باتیں قابلِ غور ضرور ہیں۔

احمدی۔ حبقوق نبی کی کتاب میں ہے:۔

" خدا تیمان سے اور وہ جو قدوس ہے فاران سے آیا۔ سلاہ۔ اس کی شوکت سے آسمان چھپ گیا اور زمین اس کی حمد سے معمور ہوئی۔" (حبقوق ۳/۳)

؎ مدینہ منورہ کی پہاڑی کا نام۔

غور کیا جائے تو یہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی ذکر ہے۔

پادری۔ یہ خبر اتنی واضح نہیں ہاں دوسری پیشگوئیوں سے ملا کر قابلِ توجہ ہے۔ مگر میں کہتا ہوں کہ آپ نے اب تک پہلی کتابوں کی خبریں بیان کی ہیں کیا ہماری اناجیل میں بھی آپ کے رسول کی آمد کے لئے کوئی پیشگوئی ہے ؟

احمدی۔ آپ تو تمام بائیبل کو خدا کا کلام مانتے ہیں اسلئے یہ سب آپ پر حجت ہیں تاہم آیئے میں اب اختصار سے اناجیل وغیرہ سے پیشگوئیاں ذکر کر دیتا ہوں۔ آپ ساری پیشگوئیوں کو سن کر اپنی رائے کا اظہار کریں۔

پادری۔ یہ اچھی بات ہے اب اناجیل کی ساری پیشگوئیوں کو یکجا طور پر بیان کر دیں۔

احمدی۔ لیجئے غور سے سنیئے :۔

(۱) مسیح نے انگوری باغ کی تمثیل میں پہلے نبیوں کی آمد کا ذکر کیا پھر اپنے آنے کا ذکر کیا اور پھر فرمایا :۔

"جب باغ کا مالک آئیگا تو ان باغبانوں کے ساتھ کیا کریگا ؟ انہوں نے اس سے کہا ان بُرے آدمیوں کو بُری طرح ہلاک کریگا اور باغ کا ٹھیکہ اور باغبانوں کو دیگا جو موسم پر اسکو پھل دیں یسوع نے ان سے کہا کیا تم نے کتاب مقدس میں کبھی نہیں پڑھا کہ جس پتھر کو معماروں نے رد کیا وہی کونے کے سرے کا پتھر ہو گیا۔ یہ خداوند کی طرف سے ہوا اور ہماری نظر میں عجیب ہے۔ اسلئے میں تم سے کہتا ہوں کہ خدا کی بادشاہت تم سے لے لی جائیگی اور اس قوم کو جو اسکے پھل لائے دیدی جائیگی اور جو اس پتھر پر گریگا اسکے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائینگے مگر جس پر وہ گریگا اسے پیس ڈالیگا" (متی $\frac{۲۱}{۴۴-۴۳}$)

یہ واضح تمثیل بتلاتی ہے کہ مسیح کے بعد آئندہ موعود کامل مظہرِ خدا ہوگا اور اسوقت بنی اسرائیل سے خدائی بادشاہت لیکر دوسری قوم بنی اسمٰعیل کو دیدی جائیگی۔

(۲) "مجھے تم سے اور بھی بہت سی باتیں کہنی ہیں مگر اب تم ان کی برداشت نہیں کر سکتے لیکن جب وہ یعنی سچائی کا روح آئیگا تو تم کو تمام سچائی کی راہ دکھائے گا اسلئے کہ وہ اپنی طرف سے نہ کہے گا لیکن جو کچھ سنے گا وہی کہے گا اور تمہیں آئندہ کی خبریں دیگا" (یوحنا $\frac{۱۶}{۱۳-۱۲}$)

اس پیشگوئی میں اسی وہ نبی کا ذکر ہے جس کا تذکرہ یوحنا $\frac{۱}{۲۵}$ میں ہو چکا۔ اسے "وہ" کہا گیا اور سچائی کا رُوح قرار دیا گیا ہے اور اسے تمام سچائی کا بیان کرنے والا ٹھہرایا ہے۔ قرآن مجید نے دعویٰ فرمایا ہے اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا (المائدہ)

(۳) مکاشفہ یوحنا میں جو بائیبل کا آخری صحیفہ ہے کشف کی زبان میں قرآن مجید اور بالخصوص سورہ فاتحہ کے بارے میں یہ خبر موجود ہے :۔

(الف) "میں نے ایک اور زور آور فرشتے کو بادل اوڑھے ہوئے آسمان سے اُترتے دیکھا۔ اس کے سر پر دھنک تھی اور اس کا چہرہ آفتاب کی مانند تھا اور اس کے پاؤں آگ کے ستونوں کی مانند۔ اور اسکے

ہاتھ میں ایک چھوٹی سی کھلی ہوئی کتاب
تھی۔ اُس نے اپنا دہنا پاؤں تو سمندر
پر رکھا اور بایاں خشکی پر۔" (مکاشفہ ۱۰/۱-۲)

(ب) "جو تخت پر بیٹھا تھا میں نے اس کے
دہنے ہاتھ میں ایک کتاب دیکھی جو
اندر سے اور باہر سے لکھی ہوئی تھی اور
اسے سات مُہریں لگا کر بند کیا گیا تھا۔"
(مکاشفہ ۵/۱)

سورہ فاتحہ "کھلی ہوئی کتاب" کا ترجمہ ہے
اور اس کی سات ہی آیتیں ہیں۔

(۴) سیدنا حضرت محمد مصطفےٰ خاتم النبیین صلی اللہ
علیہ وسلم کے متعلق ایک صریح پیشگوئی یوں درج
ہے:-

"پھر میں نے آسمان کو کھلا ہوا دیکھا
اور کیا دیکھتا ہوں کہ ایک سفید گھوڑا
ہے اور اس پر ایک سوار ہے جو سچا
اور برحق کہلاتا ہے اور وہ راستی
کے ساتھ انصاف اور لڑائی کرتا ہے
اور اس کی آنکھیں آگ کے شعلے ہیں اور
اس کے سر پر بہت سے تاج ہیں۔ اور
اس کا ایک نام لکھا ہوا ہے جسے اس
کے سوا اور کوئی نہیں جانتا اور وہ
خون کی چھڑکی ہوئی پوشاک پہنے ہوئے
ہے اور اس کا نام کلامِ خدا کہلاتا ہے
اور آسمان کی فوجیں سفید گھوڑوں پر
سوار اور سفید اور مہین کتانی کپڑے
پہنے ہوئے اس کے پیچھے پیچھے ہیں۔ اور
قوموں کے مارنے کے لئے اس کے مُنہ
سے ایک تیز تلوار نکلتی ہے اور وہ لوہا
کے عصا سے ان پر حکومت کرے گا۔ اور
قادرِ مطلق خدا کے سخت غضب کی مے
کے حوض میں انگور روندے گا اور اس کی
پوشاک اور ران پر یہ نام لکھا ہوا ہے
بادشاہوں کا بادشاہ اور خداوندوں
کا خداوند۔" (مکاشفہ ۱۹/۱۱-۱۶)

جناب پادری صاحب! آپ ان پیشگوئیوں پر
غور فرمائیں اور اس عظیم نبی پر ایمان لائیں جو مثیلِ موسیٰ
ہے اور اس کامل کتاب پر عمل پیرا ہوں جس کا ذکر تمام
صحیفوں میں موجود ہے اور وہ ان کی مصدق ہے۔

پادری - میں آپ کا بہت شکرگزار
ہوں کہ آپ نے محبت اور محنت سے مجھے ان پیشگوئیوں
کی طرف توجہ دلائی ہے۔ میں علیحدگی میں ان پر غور
کروں گا۔ اور اگر اللہ کو منظور ہوا تو وہ مجھ پر راہِ
حق کھول دے گا۔ آپ بھی میرے لئے دُعا کریں۔

احمدی - میں آپ کا شکریہ ادا کرتا
ہوں کہ آپ نے پوری توجہ سے میری باتوں کو سُنا
ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کے ساتھ ہو۔ آمین ◆

درخواست | بقایادار اصحاب اپنے بقایاجات
فوراً ارسال فرما کر ادارہ سے تعاون فرمائیں (مینیجر)

(طابع و ناشر:۔ ابوالعطاء جالندھری ٭ مطبع:۔ ضیاء الاسلام پریس ربوہ ٭ مقام اشاعت:۔ دفتر ماہنامہ الفرقان ربوہ)

تفہیماتِ ربّانیہ

محترم مولانا ابو العطاء صاحب جالندھری مدیر الفرقان و سابق مبلّغ بلادِ عربیہ کی اس لاجواب تصنیف میں ان تمام اعتراضات کا تفصیلی اور تسلّی بخش جواب دیا گیا ہے جو مخالفینِ احمدیّت کی طرف سے کیے جاتے ہیں۔ سیدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہٖ نے اس کتاب کے متعلق فرمایا تھا:۔

"اس کا نام مَیں نے ہی تفہیماتِ ربّانیہ رکھا ہے (طباعت سے پہلے) اس کا ایک حصّہ مَیں نے پڑھا ہے جو بہت اچھا ہے۔ اس کتاب کے لئے کئی سال سے مطالبہ ہو رہا تھا۔ کئی دوستوں نے بتایا کہ عشرہ کاملہ میں ایسا مواد ہے کہ جس کا جواب ضروری ہے۔ اب خدا کے فضل سے اسکے جواب میں اعلیٰ لٹریچر تیار ہوا ہے۔ دوستوں کو اس سے فائدہ اُٹھانا چاہیئے اور اسکی اشاعت کرنی چاہیئے۔" (الفضل ۱۲؍ جنوری ۱۹۳۱ء)

اب اس کتاب کا دوسرا ایڈیشن یکصد صفحات اور بعض قیمتی حوالہ جات کے اضافہ کے ساتھ شائع ہوا ہے۔ اس انتہائی مفید کتاب کا ہر احمدی گھرانہ میں موجود ہونا ضروری ہے۔

ضخامت آٹھ سو صفحات۔ قیمت مجلّد اعلیٰ سفید کاغذ گیارہ روپے؛ مجلّد اخباری کاغذ آٹھ روپے۔ کتابت و طباعت عمدہ +

مکتبہ الفرقان ربوہ

Monthly 'Al-Furqan' May, June 1968 Regd. No. L5708

ماہنامہ "الفرقان" اور احباب کا فرض

● حضرت امام جماعت احمدیہ خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ کا ارشاد :-

"میرے نزدیک الفرقان جیسا علمی رسالہ تیس چالیس ہزار بلکہ ایک لاکھ تک چھپنا چاہیئے اور اس کی بہت وسیع اشاعت ہونی چاہیئے۔" (الفضل ۵ جنوری ۱۹۵۶ء)

● حضرت میرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں :-

"رسالہ الفرقان بہت عمدہ اور قابلِ قدر رسالہ ہے اور اس قابل ہے کہ اس کی اشاعت زیادہ سے زیادہ وسیع ہو کیونکہ اس میں تحقیقی اور علمی مضامین چھپتے ہیں اور قرآن کے محاسن پر بہت عمدہ طریق پر بحث کی جاتی ہے۔ ایک طرح سے یہ رسالہ اُس غرض و غایت کو پُورا کر رہا ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مدّنظر رسالہ ریویو آف ریلیجنز اُردو ایڈیشن کے جاری کرنے میں تھی۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی یہ خواہش بڑی گہری اور خدا کی پیدا کردہ آرزو پر مبنی ہے کہ اگر ایسے رسالہ کی اشاعت ایک لاکھ بھی ہو تو پھر بھی دُنیا کی موجودہ ضرورت کے لحاظ سے کم ہے۔ پس مخیّر اور مستطیع احمدی اصحاب کو یہ رسالہ نہ صرف زیادہ سے زیادہ تعداد میں خود خریدنا چاہیئے بلکہ اپنی طرف سے نیک دل اور سچائی کی تڑپ رکھنے والے غیر احمدی اور غیر مُسلم اصحاب کے نام بھی جاری کرانا چاہیئے تا اس رسالہ کی غرض و غایت بصورت احسن پُوری ہو اور اسلام کا آفتاب عالمتاب اپنی پُوری شان کے ساتھ ساری دُنیا کو اپنے نُور سے منوّر کرے۔ (خاکسار مرزا بشیر احمد ربوہ ۱۱/۷/۵۹)"

(الفضل ۱۰ جولائی ۱۹۵۹ء)

رسالہ کا سالانہ چندہ چھ روپے ہے!

مینجر الفرقان ربوہ